پردہ

مگر کس حد تک؟

راشد شاز

ملّی پبلی کیشنز، نئی دہلی-۲۵

سال اشاعت ۲۰۰۹ء
جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

ISBN 81-87856-17-3

نامِ کتاب : پردہ مگر کس حد تک؟
تالیف : راشد شاز
تعداد اشاعت : ۱۰۰۰ (ایک ہزار)
اشاعت سوم : ۲۰۰۹ء
قیمت : چالیس روپے (Rs.40/-)
مطبع : بوسکو سوسائٹی فار پرنٹنگ، نئی دہلی۔۲۵

ناشر
ملی پبلی کیشنز
ملی ٹائمز بلڈنگ، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۱۱۰۰۲۵
Milli Times Building, Abul Fazl Enclave,
Jamia Nagar, New Delhi-25
Tel:. +91-11-26945499, 26946246
Fax: +91-11-26945499
Email:millitimes@gmail.com
www.barizmedia.com

فہرست

پیش لفظ ۷
پردہ مگر کس حد تک ۱۱
- عورت کا دائرۂ کار ۲۰
- عورت اور عورۃ ۲۴
- للرجال علیہن درجۃ ۲۶
- وخلق منہا زوجہا ۳۰
- الرجال قوامون علی النساء ۳۲
- عورت اور امورِ مملکت ۳۵
- عورت اور سماجی زندگی ۳۹
- عورت اور میدانِ جنگ ۴۲
- پردہ مگر کس حد تک ۴۵
- قرآن کا مطلوبہ پردہ ۴۸
- اسلامی معاشرہ کا ہدف ۵۸
- صالح معاشرے کے قیام میں خواتین کی ذمہ داریاں ۵۹

روایات پر اسلام کا دھوکہ نہ ہو ۶۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

عورت ہمیشہ سے مرد کے لیے ایک چیلنج رہی ہے۔ قدیم تہذیبوں نے، جہاں اس چیلنج کو قبول کرنے کا یارانہ تھا، عورت کو سماجی منظرنامے سے ہٹانے میں ہی عافیت جانی۔ کہیں دل میں اس کا خیال آنا ہی اہل تقویٰ کے لیے باعث نفریں ہوا، جیسا کہ بدھ بھکشوؤں نے عورت کے سلسلے میں رویہ اختیار کیا اور کہیں عورت سے قطع تعلقی اور جنسی زندگی کے انکار کو تقویٰ کی معراج سمجھا گیا، جیسا کہ عیسائی خانقاہوں میں ہوا۔ البتہ اسلام نے اہل ایمان عورتوں کو اہل ایمان مردوں کی سطح پر نہ صرف یہ کہ کھلے دل سے قبول کیا بلکہ عام چلتی پھرتی زندگی میں بھی اس کے سماجی رول پر کوئی قدغن نہیں لگائی۔ جہاں مردوں کے لیے تقویٰ شعار زندگی کا ایک ضابطۂ حیات مرتب کیا وہاں عورتوں کے لیے بھی خداشعار زندگی کے لیے واضح ہدایت نامے دیئے گئے۔ جہاں مردوں کو غض بصر کی تلقین کی گئی وہیں عورتوں کو سماجی زندگی میں پاکیزہ اور تقویٰ شعار رویے کی تلقین کی گئی۔ حسن و جمال کے غیرضروری اظہار اور اس کی فتنہ انگیزیوں سے متنبہ کرایا گیا اور ساتھ ہی اس مقصد کے لیے احکاماتِ جلباب "الا ما ظهر منها" کی گنجائش کے ساتھ ان کے لیے لازم قرار پایا۔ البتہ پردے یا حجاب کے ان احکامات نے عہد رسولؐ کی سوسائٹی میں مسلم خواتین کو کبھی یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ یہ احکامات سماجی زندگی سے ان کے انخلاء کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ بعد کے عہد میں جب رفتہ رفتہ مسلم معاشرے میں اخلاقی زوال کے آثار نظر آنے لگے تو بعض فقہاء نے اس صورت حال کا حل یہ نکالا کہ عورت کی سماجی چلت پھرت پر پابندیاں عائد کردی جائیں کہ ان کے نزدیک معاشرے کو فتنہ سے بچانے کا یہی ایک راستہ تھا۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ عورت کو پردے کے نام پر ملفوف کرنے، اس کے رول کو گھر کی چہار دیواری تک محدود کرنے کے بجائے مردوں کے اصلاحِ احوال پر

توجہ دی جاتی کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو ہم پردے کے نام پر اپنی نصف آبادی کو ناکارہ بنائے دینے کے مرتکب نہ ہوتے۔ عہد رسولؐ میں اگر عورتوں پر عام مومن مردوں کی طرح مسجدوں کے دروازے کھلے تھے تو یہ عورتوں کا ایک ایسا سماجی حق تھا جسے چھین لینے کا اختیار بعد کے فقہاء کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ خدا اور اس کا رسولؐ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ مسجدوں میں عورتوں کی چلت پھرت فتنہ کا باعث ہوگی یا اس کے نتیجے میں ایک ایسا تقدیسی معاشرہ وجود میں آئے گا جس میں مرد اور عورت یکساں طور پر مسجد کی برکات سے مستفید ہوں گے۔

زیرنظر کتاب اسی حساس اور نازک مسئلہ پر امت کو افراط وتفریط سے بچانے کی ایک کوشش ہے جس میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ خالص قرآنی دائرہ فکر میں اس مسئلہ کا محاکمہ ہو اور پردے کے بارے میں بلاکم وکاست وہی موقف اختیار کیا جائے جو قرآن کا مطلوب ومقصود ہے اور جس پر عہد رسول کے مدنی معاشرے سے تاریخ کی شہادت ملتی ہو۔ بھلا جس دین کی تاریخ میں عورت نے کلیدی رول ادا کیا ہو اسی دین کے ماننے والے آئندہ صدیوں میں خود اپنی تاریخ سے کیسے انکار کرسکتے ہیں۔ محمدؐ پر سب سے پہلے ایمان لانے والا کوئی اور نہیں ایک عورت خدیجہ بنت خویلد تھیں، جن کے بارے میں رسول اللہ کہا کرتے تھے کہ وہ اس وقت مجھ پر ایمان لائیں جب دوسروں نے ایمان میں پس وپیش کیا اور انہوں نے اس وقت میری حوصلہ افزائی اور دلجوئی کی جب دوسروں نے مجھ سے بےتعلقی برتی۔ اسلام کی راہ میں پہلی جان دینے والی بھی عورت ہی تھی جسے تاریخ سمیہ کے نام سے جانتی ہے۔ بیعتِ عقبیٰ اولیٰ اور ثانیہ جس میں خطرے میں گھرے اسلام کے مستقبل کے لیے مارنے مرنے کی قسمیں کھائی گئیں اس پرخطر مجلس میں بھی عورتیں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ اسلام کے سماجی منظرنامے سے عورت کا انخلاء ناممکن ہے۔ صرف سیدہ عائشہ کو منظرنامے سے ہٹا دیجئے تو اسلامی فکر اپنے ایک مستند اور عظیم شارح سے محروم ہوجاتی ہے۔ بڑے بڑے صحابہ مختلف امور پر ان کی مشاورت اور ان سے اکتساب فیض کے لیے مجبور نظر آتے ہیں۔ سیدہ عائشہ کی ذات ایک ایسی کلیدی علامت کی حامل ہے جس نے بالکل ابتدائی عہد میں پدرانہ روایتی معاشرے کو یہ باور کرادیا تھا کہ اب اسلام کی آمد کے بعد کسی کا فہم وتدبر صرف اس لیے ساقط الاعتبار نہیں قرار دیا جاسکے گا کہ وہ عورت ہے۔ آپ نے نہ صرف یہ کہ قرنِ اول کے مدنی معاشرے پر ایک خاتون مفکر، مبلغ اور معلم کے

تصور کو قبولیت عامہ عطا کیا بلکہ حساس سماجی امور اور سیاسی مسائل پر عملی قیادت بھی فراہم کی۔ گو کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات اور بھی تھیں لیکن سیدہ عائشہ کو جو سماجی مرتبہ حاصل تھا وہ ان کے فہم و تدبر کی وجہ سے تھا۔ عام طور پر یہ فرضی حدیث سامنے لائی جاتی ہے کہ عورتیں ناقص العقل والدین ہوتی ہیں لیکن کیا دنیا کے کسی بڑے سے بڑے مرد کو یہ جرأت ہوسکتی ہے کہ وہ سیدہ عائشہ کے فہم دین کو چیلنج کرسکے۔ سچ تو یہ ہے کہ مجموعی طور پر عورتوں نے دین کے معاملے میں مردوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ بیدار ذہنی کا ثبوت دیا ہے۔ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ مردوں کے حلقے سے ایسے بے شمار کذاب ومفتری پیدا ہوئے جنہوں نے خود ساختہ حدیثوں کے انبار لگا دیے لیکن حیرت انگیز طور پر مجھے عورتوں میں ایسی کوئی راویۂ حدیث نہیں ملی جس پر جھوٹی حدیثیں گھڑنے کا الزام عائد کیا گیا ہو۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ مسلم معاشرے میں عورتوں کی صلابت فکر پر اعتماد متزلزل ہے؟

قرآن مجید تو ہمیں یہ بتاتا ہے کہ قبول حق کے لیے محض عورت یا مرد ہونا کوئی وجہ نہیں بن سکتی۔ ملکۂ سبا تک جب دعوت حق پہنچی اور سلیمانؑ کا رسول برحق ہونا اس پر واضح ہوگیا تو وہ بلاکسی پس وپیش "انی آمنت برب سلیمان" پکار اٹھی۔ لیکن جب یہی دعوت موسیٰؑ کی زبانی فرعون جیسے مرد تک پہنچی تو وہ اس دعوت کا انکاری ہوگیا۔ ملکۂ سبا کی قیادت میں پوری قوم دائرہ توحید میں داخل ہوگئی جب کہ فرعون کی مردانہ قیادت اس کے حواریوں کے لیے دنیا وآخرت میں ذلت ورسوائی کا باعث ہوئی۔ گویا محض کسی کا عورت ہونا تقویٰ شعاری کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتا۔ قرآن نے ملکۂ سبا کی سلیم الفطرت شخصیت کو جس طرح سراہا ہے اسلامی تاریخ پر اس کے دوررس اثرات پڑتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم معاشرے میں عورت کی سیاسی قیادت کوئی اعجوبہ شے نہیں رہی ہے۔ جنگ جمل میں سیدہ عائشہ کی سیاسی قیادت سے عورت کی جس حیثیت کا ظہور ہوا تھا وہ سلسلہ کبھی بھی رکا نہیں ہے۔ جو لوگ بےنظیر بھٹو کو مسلم تاریخ میں پہلے وزیراعظم کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں اور جو اس عمل کو مغربی تعلیم وثقافت کا مرہونِ منت بتاتے ہیں وہ دراصل ہماری تاریخ سے ناواقف ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ ہمارے زوال کے عہد میں بھی ایسی خواتین قیادت کی کمی نہیں رہی ہے جنہوں نے عین بحرانی لمحات میں امت کی کمان سنبھالے رکھی ہے۔ عصمت الدین، جو تاریخ کے صفحات میں شجرۃ الدر کے نام سے جانی جاتی ہیں، نے اپنے شوہر صلاح الدین کی موت کے بعد عین صلیبی

جنگوں کے دوران نہ صرف یہ کہ اپنی شوہر کی موت کو پوشیدہ رکھا بلکہ تمام فوجی کارروائیوں کی کمان کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ اسی صلیبی جنگ میں ایک مسلم عورت کی قیادت میں شاہ فرانس لوئس نہم کی گرفتاری عمل میں آئی اور پھر شجرۃ الدر نے باقاعدہ فتح کے بعد اپنی سربراہی کا اعلان کیا۔ جمعہ کے خطبوں میں شجرۃ الدر کا نام پڑھا جاتا اور سکوں پر اس کے فرمان جاری ہوتے۔ تیرہویں صدی میں ممالک اسلامیہ میں خواتین سربراہوں کے بہت سے نام سنائی دیتے ہیں۔ دہلی میں رضیہ سلطانہ اور وسط اشیاء میں ترکان خاتون، صفوۃ الدین ملک خاتون، ساتی بک خان اور تندو کے نام نمایاں ہیں۔ اسی عہد میں انڈونیشیا میں تاج عالم اور نور عالم کے نام سے خاتون حکمرانی کا منظر سامنے آتا ہے۔ ایک ایسے سماجی منظرنامے میں آخری عہد میں بیگم بھوپال جیسی خاتون کا سامنے آنا ہماری تاریخ میں کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ یہ دراصل ملکہ سبا سے متعلق ان قرآنی بیانات کے اثرات ہیں جس میں اس کی ستائش کی گئی ہے۔ حیرت ہے کہ ایک ایسی کتاب کے حاملین آج اجنبی ثقافت کے زیر اثر عورت سے اس کا بھرپور اسلامی رول چھین لینا چاہتے ہیں۔ طرفہ تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ وہ اسلام کے نام پر کرنا چاہتے ہیں۔ زیر نظر کتاب دراصل اسی خلط مبحث سے بچانے کی ایک کوشش ہے۔

راشد شاز

یکم نومبر ۲۰۰۳ء، نئی دہلی

پردہ مگر کس حد تک

آج ہم ایک ایسے عہد میں جی رہے ہیں جب امت اسلامیہ کا بنیادی ڈھانچہ منہدم ہے۔ ملی سیاسی وحدت کا تصور پاش پاش ہو چکا ہے۔ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے جب کوئی پون صدی سے امت اسلامیہ کسی خلیفہ یا امام کے بغیر زندگی گزار رہی ہے۔ ہماری سرزمین پر مغرب کے ایجنٹ قابض ہیں اور اس حقیقت کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ نے مسلم دنیا کو فطری وسائل کے حیرت انگیز ذخائر سے مالامال کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ان وسائل کا کنٹرول بھی بڑی حد تک دشمن کے ہاتھوں میں ہے جو اسے مسلسل اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو اسلام کی مرکزی سرزمین پر ایک بار پھر خلافت کے احیاء کا خواب دیکھتے ہیں تو ملکی اور بین الاقوامی صورت حال کے پیش نظر وہ خود کو اتنا بے بس محسوس کرتے ہیں کہ ان کی مقدس آرزو دل ہی دل میں گھٹ کر رہ جاتی ہے۔

ایک ایسی تکلیف دہ صورت حال میں ہر دردمند مسلمان مرد اور عورت کے ذہن میں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس صورت حال کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک بار پھر اس منتشر امت کو سیاسی وحدت میں تبدیل کیا جائے؟ یہ حقیقت بھی محل نظر رہے کہ شرعی اعتبار سے خلیفہ کے بغیر امت کی زندگی انتشار اور پراگندگی کی ایک ایسی صورت حال سے عبارت ہے جو دراصل ایک ہنگامی صورت حال کا خاصہ ہوا کرتا ہے۔ خلیفہ کے بغیر کسی منظم اور متحد امت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ عہدہ خلافت کو تین دن سے زیادہ کی مدت کے لیے خالی نہیں چھوڑا جاسکتا۔ گویا موجودہ صورت حال میں ہم ایک ایسے عبوری ہنگامی دور سے گزر رہے ہیں جس میں آرام کا کوئی لمحہ اور سانس لینے کی کوئی مہلت اس وقت تک نہیں مل سکتی جب تک کہ

خلافت کا قیام عمل میں نہیں آجاتا۔

ہمارے لیے اس وقت جو سوال غور طلب ہے وہ یہ کہ موجودہ صورت حال میں اسلام کو ایک نئی زندگی عطا کرنے اور خلافت کے بنیادی ادارے کو دوبارہ اس سرزمین پر قائم کرنے کے لیے ناقابل تسخیر تحریک کیسے برپا کی جائے؟ ایک ایسی صورت حال میں جب کوئی پون صدی کی جدوجہد دین کے اس بنیادی ادارے کو دوبارہ قائم کرنے میں ناکام رہی ہو اس بات کی شدید ضرورت ہوجاتی ہے کہ اس تحریک کو کامیابی کے حتمی مرحلے میں داخل کرنے کے لیے اپنی ساری توانائی اس میں جھونک دی جائے۔ اپنی بساط بھر امت کے ہر فرد پر خواہ وہ بوڑھا ہو یا جوان، چھوٹا ہو یا بڑا مرد ہو یا عورت ہر کسی پر یکساں طور پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس انقلابی جدوجہد میں ضرور شریک ہو۔ بالخصوص ایک ایسی صورت حال میں جب مردوں کی جدوجہد اسلام کو سربلندی عطا کرنے میں ناکام رہی ہو یا محض مردوں کی اجتماعی قوت دشمن کے مقابلے میں کم پڑ گئی ہو، مسلم خواتین پر لازم آتا ہے کہ وہ اپنی معمول کی زندگی تج کر اس انقلابی جدوجہد میں اس وقت تک شریک رہیں جب تک کہ اسلام کی تحریک ایک فیصلہ کن کامیابی سے ہمکنار نہ ہوجائے۔ اسلام ان سے اسی بات کا مطالبہ کرتا ہے۔ قرونِ اولیٰ کی مسلم خواتین نے اسلام سے اپنی اس درجہ وابستگی کا بارہا ثبوت پیش کیا ہے۔

عام طور پر یہ سمجھا جانے لگا ہے کہ اسلام کی انقلابی جدوجہد میں مسلم خاتون کا کوئی بنیادی رول نہیں ہے۔ اگر وہ زیادہ سے زیادہ کچھ کرسکتی ہے تو صرف یہ کہ اپنے مجاہد شوہر کی حوصلہ افزائی کرے یا انقلابی جدوجہد کے نتیجے میں پیش آنے والے خطرات پر حرف شکایت زبان پر نہ لائے اور ہر صورت میں بیوی، بیٹی یا ماں کی حیثیت سے انقلابی تحریک کے لیے اچھے جذبات اپنے دل میں رکھے۔ رہا اپنی ذاتی حیثیت میں اس انقلابی جنگ میں شرکت کا معاملہ یا دین کی راہ میں مردوں پر سبقت لے جانے کا جذبہ تو اب اس کا خیال بھی مسلم خواتین کو کم ہی آتا ہے۔ اسے زوال پذیر مسلم معاشرے نے جو کچھ بتایا ہے وہ صرف یہ کہ وہ بیوی کی حیثیت سے اپنے شوہر کی مکمل تحویل میں ہے۔ اسے اپنے طور پر نیک و بد میں تمیز کی حاجت نہیں کہ یہ کام بھی شوہر کی ذمہ داری ہے۔ اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ شوہر کی مکمل اتباع میں اپنا سر جھکائے رہے، شوہر کی رائے اس کی رائے بن جائے اور وہ اپنی بقیہ زندگی ایک ایسی مخلوق کی حیثیت سے گزار دے جس کی اپنی کوئی انفرادیت نہ رہ گئی ہو۔ رہا

اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی توانائی صرف کرنے کا معاملہ تو مسلم معاشرے کی روایتی عورت کو اس بات کے لیے تیار ہی کب کیا گیا ہے کہ وہ گھر سے باہر کے معاملات پر گفتگو کرسکے، یا دنیا میں پیش آنے والی تبدیلیوں پر نظر رکھے۔

ہمارے موجودہ زوال کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ہم نے رفتہ رفتہ بعض مقامی اقدار و تصورات کو اتنی اہمیت دی کہ اس کے اندر اسلام کی بنیادی روح دب کر رہ گئی ہے۔ آج بیشتر مسلم معاشروں میں عورت کے تعلق سے جو تصورات رائج ہیں یا اس کے لیے جو رول متعین کردیا گیا ہے اس کا تعلق اسلام سے کہیں زیادہ ان مقامی اقدار و تصورات سے ہے جسے ہم نے رفتہ رفتہ تقدس کے مرحلے تک پہنچا دیا ہے۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ عہد رسول کی عورت ہمارے معاشرے کی روایتی دیندار عورت سے بالکل مختلف نظر آتی ہے۔ جو لوگ اسلام کو دوبارہ دنیا میں غالب دیکھنے کے آرزومند ہیں ان کے لیے لازم ہوگا کہ وہ اسلام کی ہمہ گیر انقلابی تحریک کو موثر بنانے کے لیے پورے مسلم معاشرے کی قوت مستعار لیں اور مسلم خواتین کو بھی مقامی روایات سے اوپر اٹھ کر وہ رول دینے میں تکلف کا مظاہرہ نہ کریں جس کا اسلام ان سے مطالبہ کرتا ہے اور جس پر قرونِ اولیٰ کی تاریخ شاہد ہے۔

ایک ایسے معاشرے میں جہاں اسلام کی تعلیمات مقامی روایات اور ثقافت میں اس طرح گڈمڈ ہوگئی ہو کہ عام مسلمانوں کے لیے ایک کا دوسرے سے جدا کرنا مشکل ہوگیا ہو، جہاں فتنے کے خوف سے ان دروازوں کو بھی بند کردیا گیا ہو جسے اسلام نے کھلا رکھا تھا اور جہاں پوری امت احساس عدم تحفظ کی ایک ایسی نفسیات میں مبتلا ہو کہ اس کے چوٹی کے علماء کرام بھی نفاذ شریعت کے بجائے تحفظ شریعت کی مہم چلاتے ہوں ایک ایسے معاشرے میں اسلام کو اس کی اصلی شکل وصورت میں برتنا اور عورت کو پھر سے اس انقلابی مشن کا حصہ بنا ڈالنا ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے۔ پھر جو لوگ عرصے سے سیاسی غلامی کی زندگی جینے کے عادی ہوں، جو صرف تحفظ کی اصطلاحوں میں سوچتے اور مطالبات کی دنیا میں جیتے ہوں ان سے اس بات کی توقع کرنا کہ وہ نہ صرف خود اسلام کی عالمی سیادت کو پھر سے قائم کرنے کے لیے ہر طرح کی قربانیوں کے ساتھ میدان میں آئیں بلکہ اس مشن میں اپنی مستورات کو بھی شریک کریں، دراصل ایک بڑے فکری انقلاب کا طالب ہے۔ یہ اس بات کا طالب ہے کہ مسلم معاشرے کو ازسرنو کتاب وسنت کی بنیادوں پر قائم کردیا جائے۔ ایک طویل

عرصے کی محکومی کے دوران جو باطل خیالات وتصورات رائج ہوگئے ہیں ان سے یکسر اجتناب کیا جائے، مسلم عورت کو وہ سب کچھ دیا جائے جو اللہ اور اس کے رسول نے اسے دیا ہے اور مسلم عورت کسی ایسی چیز کا مطالبہ نہ کرے جس سے اللہ اور اس کے رسول نے اسے روک دیا ہے: ''اور رسولؐ تمہیں جو کچھ دے اسے لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔''

مسلم بہنوں پر لازم ہے کہ احکام الٰہی کی بجا آوری میں وہ ہر قسم کی مقامی رکاوٹوں اور ثقافتی دشواریوں کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ ان کے لیے اگر کوئی چیز اہمیت رکھتی ہے تو وہ صرف یہ کہ ایک مومنہ کی حیثیت سے قرآن سے انہیں کیا ہدایت ملتی ہے اور آپ کے عہد میں صحابیات نے ان احکامات کو کس طرح برتا۔ یعنی ہدایت کا بنیادی مآخذ قرآن ہے اس کے بعد وہ تمام احادیث اور واقعات جو قرآن کی ان ہدایتوں کی توثیق کرتے ہوں۔ رہی بعد کے عہد میں فقہاء کی وہ آراء جو احتیاطاً فتنے کے سد باب کے لیے عورت کو بعض ذمہ داریوں سے سبکدوش کرتی ہیں یا مسجد میں اس کے عمل دخل پر روک لگاتی ہیں تو یہ ان حضرات کی اپنی سمجھ تھی، ان کا اپنا اجتہاد تھا۔ جو ان کے مخصوص ماحول کے لیے ہوسکتا ہے مناسب رہا ہو، البتہ اسے کوئی دائمی حیثیت نہیں حاصل ہوسکتی۔ کوئی بھی بڑے سے بڑا فقیہ یا عالم ایک خاص عہد تک دیکھتا ہے، وہ اپنے عہد کے لیے اپنی محدود فہم کی روشنی میں ہدایات مرتب کرتا ہے۔ اس کی سمجھ کو بعد کے بدلے ہوئے حالات میں بھی یکساں معتبر گردانا مناسب نہیں۔ ہمارے لیے تو صرف یہ کافی ہے کہ کسی بارے میں اللہ کی کتاب کیا کہتی ہے اور رسولؐ کی سنت سے اس کی تائید کس طرح ہوتی ہے اور بس۔ رہی مختلف عہد کے فقہائے عظام اور علمائے کرام کی آراء، تو اسے استفادے کے لیے بیش قیمت سرمائے کی حیثیت تو حاصل ہوگی لیکن حکم کی نہیں۔ اللہ کی کتاب جب تازہ بہ تازہ ہمارے درمیان موجود ہے تو ہمیں یہ ہرگز زیب نہیں دیتا کہ کسی اور کی طرف رہنمائی کے لیے دیکھیں۔

اس بارے میں سب سے پہلی بات تو یہ سمجھ لینے کی ہے کہ اسلام مسلم مرد کی طرح مسلم عورت کے ایمان کو بھی اس کا انفرادی معاملہ قرار دیتا ہے۔ یعنی مسلم مرد کی طرح مسلم عورت بھی اللہ اور اس کے رسولؐ سے اپنی وابستگی کا اقرار کرتی ہے اور اس راہ میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کا عہد کرتی ہے۔ گویا مسلم عورت کا ایمان اپنا انفرادی عمل ہے۔ اس کے اس عمل کا شوہر، بھائی یا باپ سے کچھ

بھی علاقہ نہیں۔ وہ اپنے ہر عمل کے لیے جزا و سزا کی خود مستحق ہے، مرد کا نیک عمل اس کے لیے کافی نہیں ہے۔

اسلام کی تحریک میں عورت کا کردار ضمیمے کے طور پر نہیں ہے بلکہ اسے بھی مرد کی طرح بنیادی رول عطا کیا گیا ہے۔ قرآن تو اس بات کا برملا اعلان کرتا ہے کہ اسلام کی تحریک عورتوں کی شرکت کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ بھرپور اسلامی تحریک کے لیے ضروری ہے کہ پورا مسلم معاشرہ ایک اکائی کے طور پر کفر سے نبرد آزما ہونے کے لیے متحرک ہوجائے اور ایسا محسوس ہونے لگے گویا مرد اور عورت الگ الگ سیارے کی مخلوق نہیں بلکہ ایک ہی تحریک کے اجزائے ترکیبی ہیں، ایک دوسرے کے مونس وغمگسار ہیں۔ ایک کو دوسرے سے تقویت ملتی ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

> ''مومن مرد اور مومن عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے معاون ہیں، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہوکر رہے گی۔ یقیناً اللہ سب پر غالب ہے اور حکیم و دانا ہے۔ ان مومن مردوں اور عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں ایسے باغ میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ہمیشہ رہیں گے۔'' (التوبہ ۷۱-۷۲)

گویا قرآن کی نظر میں اللہ کے دین کے لیے جدوجہد کرنے والے مرد و عورت مشترکہ طور پر ایک ایسے مقدس مشن کے لیے جدوجہد کرتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ اللہ کی رحمت کے حقدار قرار پاتے ہیں۔ مومن مردوں اور مومن عورتوں کا الگ الگ تذکرہ کرکے اس بات کی مزید وضاحت کردی گئی کہ اسلام کے غلبے کی تحریک میں عورتوں کا مطلوبہ رول مردوں سے کسی قدر کم اہمیت کا حامل نہیں۔ دور اول کے اہم معرکوں میں شاید ہی کوئی ایسا معرکہ ہو جس میں مسلم خواتین اپنی بساط بھر مردوں کے لیے باعث نصرت و تعاون نہ بنی ہوں۔ یہ تعاون کبھی مالی شکل میں سامنے آیا تو کبھی شعر و ادب نے اس کی شکل لی اور کبھی جسمانی مشقت نے اس کا حق ادا کیا۔ عام طور پر تاریخ کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کی ازواج اور صحابیات کی شرکت کا تذکرہ اس حوالے سے ملتا ہے کہ وہ فوجیوں کے لیے کھانا بناتیں، انہیں پانی پلاتیں یا زخمیوں کی مرہم پٹی کا کام انجام دیتیں۔ البتہ ذاتی طور پر براہِ راست

جنگوں میں شرکت کا تذکرہ ہمارے مورخین کی توجہ کا موضوع کم ہی بنتا ہے جس پر ہم انشاء اللہ آگے روشنی ڈالیں گے۔

یہاں ہم صرف اس بات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ اسلامی تحریک میں مرد کی طرح عورت بھی ایک بنیادی رول کی حامل ہے۔ جس طرح شوہر کا ایمان لے آنا بیوی کے لیے کافی نہیں ہوسکتا یا بھائی کی عبادت گزاری بہن کے لیے ذریعہ نجات نہیں بن سکتی۔ اسی طرح غلبہ اسلام کی تحریک میں بھی عورت کا اجر ذاتی حیثیت میں اس کی اپنی شرکت پر منحصر ہوگا اور فریضۂ اقامت حق سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ذاتی حیثیت میں اس کی اپنی شرکت لازم ہوگی:

> ''میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔ لہٰذا جن لوگوں نے میری خاطر وطن چھوڑا اور میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور میرے لیے لڑے اور مارے گئے اور جنہوں نے جہاد کیا اور شہید کئے گئے۔ میں ضرور بالضرور اُن کی برائیاں اُن سے دور کردوں گا اور بلاشبہ انہیں اُن جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ یہ ثواب اللہ کی طرف سے اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔
>
> (آل عمران ۱۹۵)

اللہ کی راہ میں وطن چھوڑنا، ستایا جانا، لڑنا، مارا جانا صرف مردوں کے لیے مخصوص نہیں بلکہ یہ ساری سعادت بالکل اسی سطح پر عورتوں کے حصے میں بھی آتی ہے۔ یعنی اللہ کے یہاں درجات کا تعین اس کی راہ میں جدوجہد کرنے پر منحصر ہے۔ مرد اور عورت یکساں طور پر اس انعام کے مستحق ہیں اور یکساں طور پر دونوں سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں عزیمت بھرے اس راستے کو منتخب کرکے عظیم بشارت کے مستحق ہوں۔ دوسری جگہ اس بات کی مزید تشریح کرتے ہوئے کہا گیا:

> ''جو شخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت اگر وہ مومن ہے تو ہم دنیا میں اسے پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ایسے لوگوں کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخش دیں گے۔'' (النحل ۹۷)

قرآن کی اس صریح ہدایت کے بعد کہ اللہ کی راہ میں مرد کی طرح عورت کو بھی گھر بار چھوڑنا

ہوگا، دشمنوں کے ظلم وستم کا نشانہ بننا ہوگا اور مرنے مارنے کے لیے ہمہ دم تیار رہنا ہوگا۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی عورت اس راہ کو اختیار کئے بغیر آخرت میں بہترین کامیابی کی توقع رکھے؟ یا دور جدید کی اسلامی تحریک مومن عورت کو اس راہ عزیمت سے کنارہ کش ہونے کی ترغیب دے جس پر چل کر وہ اللہ کے بہترین وعدوں کی مستحق ٹھہرتی ہے۔ خاص طور پر قرآن کے ان صریح ارشادات کے پیش نظر کہ انسانوں کی مغفرت کا فیصلہ گروہی، نسلی یا جنسی بنیادوں پر نہیں بلکہ ان کے ذاتی اعمال کی بنیادوں پر ہوگا: ''قیامت کے دن ہر شخص اس کے حضور تنہا پیش ہوگا۔'' (و کلھم آیته یوم القیامةِ فرداً. مریم ۹۵) کیا ایک باشعور مسلم خاتون کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اس دن کی ابھی سے تیاری کرے جس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

> ''اس دن آدمی اپنے سگے بھائی، باپ، بیوی اور بچوں سے بھاگ کھڑا ہوگا۔ اس دن ہر شخص کو بس اپنی اپنی پڑی ہوگی۔'' (عبس ۳۵-۳۸)

ذرا غور کیجئے! ایک طرف تو قرآن کا یہ اصرار کہ وہ نجات کے لیے انفرادی سرمایہ عمل کو لازم قرار دیتا ہو، اللہ کی راہ میں پیش آنے والے مصائب پر ابدی کامیابی کی بشارت دیتا ہو اور اس بارے میں مرد و عورت کی کوئی تخصیص نہ کرتا ہو اور دوسری طرف موجودہ مسلم معاشرے پر ایک نظر ڈالیے تو سخت حیرت ہوتی ہے کہ پورا مسلم معاشرہ کیا مرد کیا عورت، کیا عالم کیا جاہل، کیا روشن خیال اور کیا قدامت پرست ہر شخص یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ غلبہ اسلام کی تحریک میں عورت کا کوئی کلیدی رول نہیں ہوسکتا۔ یہ تصور عام ہے کہ موجودہ نظام باطل کو اکھاڑ پھینکنے کی ذمہ داری عورت کے سر نہیں ہے۔ اس کا دائرہ کار صرف اور صرف گھر کی چار دیواری کے اندر ہے باہر کی دنیا سے اسے کیا مطلب۔ رفتہ رفتہ گذشتہ چند صدیوں کے دوران اس تصور کو اتنا اعتبار حاصل ہوگیا ہے کہ اب اس مسئلہ پر کسی نئے تناظر میں غور وفکر کی ضرورت کم ہی سمجھی جاتی ہے۔ حالات خواہ کتنے ہی بدل گئے ہوں، امت پر حالات کتنے ہی دل گرفتہ کیوں نہ ہو اور ہمارے اندر اسلام کو دوبارہ غالب دیکھنے کی کتنی ہی شدید آرزو کیوں نہ ہو ہمارے قلب ونظر پر روایت پرستی کا دباؤ اتنا سخت ہے کہ زوال پذیر مسلم معاشرے کو دوبارہ اسلامی بنیادوں پر استوار کرنے کی ہر خواہش کوئی عملی شکل لینے سے پہلے ہی دم توڑ دیتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ زوال کی ہر علامت کی حفاظت میں مصروف ہے، اسے یہ خوف

کھائے جا رہا ہے کہ مغرب سے اٹھنے والی ثقافتی آندھی جو اس کے بوسیدہ خیموں میں قیامت کا سماں برپا کیے دیتی ہے، بہت جلد ہمارے معاشرے کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گی۔ تحفظ کا یہ عمل اتنا شدید ہے کہ ہمارے روایتی علمائے کرام نے عورت کو بعض ان حقوق سے بھی محروم کر دیا ہے جو اسلام انہیں عطا کرتا ہے۔ روایتی طرز کی کتابیں دیکھ جائیے تو وہاں آپ کو اس طرح کے عنوانات سے بھی سابقہ پیش آئے گا۔ ''مثلاً عورتوں کو مسجد میں داخلے سے ممانعت کا حکم'' جب کہ آپ ﷺ کا واضح ارشاد ہے کہ ''اللہ کی بندیوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکو۔''

ہمارے خیال میں مغرب کی ثقافتی یلغار کو روکنے اور اس اخلاق باختہ سیلاب سے خود کو بچانے کے لیے نہ تو کوئی مصنوعی طریقہ کارگر ہو سکتا ہے اور نہ ہی موجودہ از کار رفتہ روایتی مسلم معاشرے میں یہ قوت ہے کہ وہ اپنے خود ساختہ اقدار کی بنیاد پر اس کا مقابلہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کی ڈانٹ ڈپٹ اور روایات کی دہائی دینے کے باوجود ہمارا معاشرہ مسلسل ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے، آپ مسلم عورت کو مقفل رکھنے کی کتنی ہی ترکیبیں تیار کرتے رہیں واقعہ یہ ہے کہ وہ رفتہ رفتہ عام عورت کی طرح باہر کی دنیا میں اپنا رول تلاش کر رہی ہے۔ آخر زندگی کا کون سا شعبہ ہے جہاں آج امت کی بہو بیٹیاں نظر نہ آتی ہوں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ باہر کی دنیا میں اپنا رول تلاش کر لینے والی مسلم خاتون کسی رول ماڈل کی تلاش میں اسلام سے کہیں زیادہ مغرب کی طرف دیکھتی ہے۔ بسا اوقات مسلم معاشرے سے اس کا رشتہ کٹتا نہیں تو کمزور ضرور پڑ جاتا ہے۔ گویا آپ ثقافتی اقدار اور روایات کی جتنی بھی حفاظت کریں، اسے علماء کے قال اللہ قال الرسول سے جتنا بھی مزین کر لیں دین اور شریعت کے حوالے سے موجودہ زوال پذیر مسلم معاشرے کو جوں کا توں برقرار رکھنے کے لیے جتنی سر توڑ جدوجہد بھی کر ڈالیں ان میں اب اتنی قوت نہیں کہ تبدیلی کی آندھیوں کا مقابلہ کر سکے۔

گذشتہ پچاس برسوں کی سیاسی غلامی اور بے بس محکومی کے دوران آپ کے خود ساختہ ثقافتی دائرے میں آخر کون سی چیز صحیح سالم رہ گئی ہے؟ آپ نے اپنی خواتین کو گھروں میں مقفل کرنا چاہا تو وہ باہر نکل آئیں، آپ نے لڑکیوں کے لیے جدید تعلیم کی سختی سے مخالفت کی لیکن دیکھتے دیکھتے جدید دانش گاہوں میں ان کی چلت پھرت عام ہو گئی۔ آپ نے معاشی اور سیاسی اداروں میں ان کی سرگرمی پر روک لگائی لیکن مسلم خواتین کی ایک قابل محسوس تعداد ان اداروں کے دروازوں پر دستک دیتی نظر

آئی۔ آپ نے بھی ان سے کچھ زیادہ تعرض نہ کیا۔ آپ اس بات کو تو مستحسن نہیں سمجھتے تھے کہ آپ کی بیٹی مخلوط میڈیکل کالج میں تعلیم حاصل کرے۔ البتہ جب کبھی بھی آپ کو خاتون ڈاکٹر کی ضرورت پیش آئی، آپ نے مسلم خاتون ڈاکٹر سے رجوع کرنا مناسب سمجھا۔ اسی طرح ایک طرف تو آپ وکالت کے پیشے کو حرام قرار دیے بیٹھے تھے لیکن شریعت کے ''تحفظ'' کی خاطر جب بھی پرسنل لا بورڈ کا جلسہ بلایا گیا اس میں تجربہ کار مسلم وکیلوں کی شمولیت بھی لازم سمجھی گئی۔ گویا آپ یہ تصور کیے بیٹھے تھے کہ آپ کی ''اسلامی'' ہدایت عمل کے لیے نہیں ہے عمل کی شریعت کچھ اور ہے اور نصیحت کی کچھ اور کہ اگر آپ کے فرمودات پر امت نے واقعی عمل کیا ہوتا تو شریعت کے تحفظ کے لیے مسلم وکیل اور پردہ نشین مسلم خواتین کے لیے ''نیم پردہ'' دار مسلم خاتون ڈاکٹر کہاں سے دستیاب ہوتی؟

ثقافت کی اسی آندھی کو روکنے میں اگر آپ واقعی مخلص ہیں تو اس کا مقابلہ روایت پرستی کے ہتھیاروں سے مت کیجیے۔ جب آپ کے پاس اسلام کی زبردست انقلابی قوت موجود ہے جو ہر ثقافت اور تہذیبی اظہار کو مات دے سکتا ہے تو آخر آپ کو مدافعت کی جنگ لڑنے پر اس قدر اصرار کیوں ہے؟ اگر آپ کا اسلام مغرب کی مصنوعی آندھی اور مشرق کے سرابی رعد کے آگے ڈھیر ہوا جاتا ہے، یا آپ کی بہو بیٹیاں اسلام سے کہیں زیادہ مغرب کے نظام میں امان محسوس کرتی ہیں اور اگر آپ کی مصیبت زدہ بیٹیاں انصاف کی تلاش میں شرعی عدالتوں کے بجائے باطل عدالتوں سے رجوع کرتی ہیں تو سمجھ لیجیے کہ آپ اب اس اسلام کے علمبردار نہیں رہے جس میں عورتوں کو اتنا کچھ مل گیا تھا کہ صحابہ کرام کو احساس ہونے لگا تھا کہ اسلام آنے کے بعد عورتیں ان کے کنٹرول سے گویا نکل گئی ہیں۔ عورت کی انفرادی آزادی اور اس کے حقوق کے تحفظ کی ایک ایسی مثال قائم ہوئی تھی کہ دنیا اور آخرت میں سرخروئی کے لیے کسی کا محض عورت ہونا اس کے لیے رکاوٹ نہ بن سکا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم معاشرے کے ہر فرد کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ غلبہ اسلام کی تحریک میں اپنے لیے وہ رول ضرور متعین کرے جس کا اللہ اور اس کا رسولؐ ان سے مطالبہ کرتا ہے۔ ورنہ اپنے ثقافتی اقدار کو اسلام بتا کر نہ تو آپ اسلام کی کوئی خدمت کر رہے ہوں گے اور نہ ہی اس باد مخالف کا روکنا آپ کے لیے ممکن ہوگا۔

عصر حاضر کی باشعور مسلم تحریکیں ہوں یا زوال پذیر مسلم معاشرہ، عورت کے مطلوبہ رول کے

سلسلے میں دونوں کے ہاں حقیقت پسندی کا فقدان ہے۔حتی کہ وہ لوگ بھی جو اسلام کے حوالے سے ایک نئی تبدیلی کے خواہاں ہیں۔ ان کے یہاں بھی عورت کا اسلامی رول روایتی رول میں دب کر رہ گیا ہے۔ ورنہ آخر کیا وجہ ہے کہ جس امت میں کبھی خواتین علماء کی قابل ذکر تعداد رہی ہو، جہاں عورتیں باضابطہ درس و ارشاد کے منصب پر فائز رہی ہوں اور وقت کے امام ان کے درس سے اکتساب فیض کرتے ہوں، جہاں پالیسی امور میں خواتین سے مشورہ لینے کی روایت رہی ہو، جہاں میدان جنگ میں عورتیں مسلم فوج کی سپلائی لائن اور سپورٹ گروپ کے طور پر کام کر رہی ہوں، جہاں امت کے ہر سیاسی و سماجی نوعیت کے اہم پبلک پروگراموں میں خواہ وہ رسولؐ کا آخری خطبہ ہو یا مسجد نبوی میں انقلابی ہنگامی نوعیت کے اجلاس اور علمی مجالس، جمعہ کی نماز ہو یا عیدین کی بھیڑ بھاڑ، عورتیں ہر جگہ نظر آتی ہوں، اسی امت کی موجودہ نسل پر غفلت اور جہالت کا ایک عام ماحول طاری ہے۔حتی کہ ہماری دیندار بہنوں کے تصور میں بھی یہ بات کم آتی ہے کہ امت اسلامیہ کو موجودہ زوال سے نکال لے جانے اور ایک بار پھر اسلام کی مرکزی خلافت کے قیام کی ذمہ داری مردوں کی طرح ان کے اوپر بھی عائد ہوتی ہے۔ غلبہ اسلام کی مقدس مہم میں مومن عورتوں کو پھر سے مومن مردوں کا معاون و مددگار بنانے اور ایک ہمہ گیر انقلابی تحریک برپا کرنے کے لیے لازم ہے کہ ہم ان کج فہمیوں کا ازالہ کریں جو عورت کے حوالے سے روایتی مذہبی حلقوں میں عام ہو گئیں ہیں اور جسے رفتہ رفتہ عقائد کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔

عورت کا دائرہ کار

اس سلسلے میں ایک بنیادی غلط فہمی عورت کے دائرۂ کار سے متعلق پائی جاتی ہے۔ یہ تصور عام ہے کہ عورت کا دائرہ کار صرف اور صرف گھر کی چار دیواریوں تک ہی محدود ہے اس سے آگے جو کچھ ہے وہ مرد کی دنیا ہے۔ اس میں دخل دے کر عورت عورت نہیں رہ جاتی۔ اس سے پہلے کہ ہم اس مفروضے کا جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ قرآن مجید اس بارے میں کیا کہتا ہے ایک بنیادی مسئلہ کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ سمجھ لینے کی ہے کہ مرد اور عورت کو جسمانی ساخت میں اللہ نے ایک دوسرے سے مختلف بنایا ہے۔ افزائش نسل کا جو فریضہ اسے عطا کیا گیا ہے یہ صرف

اس کا طرۂ امتیاز ہے اسے کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا۔ فی نفسہ یہ اتنی بڑی ذمہ داری ہے جس کے بوجھ کو محسوس کرتے ہوئے اسے زندگی کے بعض دوسرے امور میں رخصت دے دی گئی ہے۔ مثلاً کسب معاش کی فکر سے اسے آزاد کر دیا گیا ہے، مخصوص ایام میں عبادت میں سہولت دی گئی۔ یہاں تک کہ جہاد جیسے اہم فریضے کو اس کے لیے اختیاری عمل قرار دیا گیا اور آپ ﷺ نے فرما دیا کہ عورتوں کا جہاد حج ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عورت کے اوپر افزائش نسل کی جتنی بھاری ذمہ داری دی گئی ہے انصاف کا تقاصہ تھا کہ دوسری ذمہ داریوں سے اسے رخصت دی جاتی۔

لیکن افزائش نسل عورت کا بنیادی فریضہ ہے، یہ اس کا essential role ہے، اس کی زندگی کا ماحصل نہیں۔ جس طرح ایک کسان کا بنیادی فریضہ غلہ پیدا کرنا، استاد کا بنیادی کام پڑھانا اور طبیب کا بنیادی رول علاج و معالجہ ہوتا ہے۔ اسی طرح عورت کا بنیادی رول افزائش نسل ہے اور جس طرح کوئی کسان یا استاد یا طبیب اپنے اپنے بنیادی دائرہ کار سے آگے کی دنیا میں اپنا وجود رکھتے ہیں۔ اسی طرح عورت اپنے اس پرائمری رول کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرے میں متحرک کردار کی حیثیت سے چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ صرف افزائش نسل پر اس کا رول ختم نہیں ہو جاتا۔ اسلامی تحریک کو پیش آنے والے خطرے میں نئے راستے کی تلاش کی ذمہ داری مردوں کی طرح اس پر بھی عائد ہوتی ہے۔ جب اسلامی سرحدوں پر دشمن کی فوجیں مسلسل حملہ آور ہوں یا جب قوت اسلامی کا شیرازہ منتشر ہو گیا ہو اور فدائین اسلام کی تحریک موت و حیات کی کشمکش سے دوچار ہو اس وقت کوئی مذہبی رہنما، کوئی ٹکنوکریٹ، کوئی طبیب یا مختلف بنیادی فریضے کے حاملین یہ کہہ کر اپنا دامن نہیں بچا سکتے کہ یہ کام اس کے بنیادی وظیفے میں شامل نہیں ہے۔ یہ تو خیر ایک ہنگامی صورت حال کی مثال تھی۔ اسلام تو معمول کی زندگی میں بھی ہر شخص سے اس کے بنیادی وظیفے کے علاوہ ایک سرگرم داعی کی زندگی کا طالب ہے۔ یہ صحیح ہے کہ گھر کی چار دیواری عورت کا بنیادی میدان ہے، افزائش نسل اس کا بنیادی فریضہ ہے کہ فطرت نے اسے ماں بننے کی صلاحیت سے مزین کیا ہے۔ البتہ اگر کوئی اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ اس بنیادی فریضے کی ادائیگی کے بعد مسلم معاشرے میں اس کا رول ختم ہو جاتا ہے تو دراصل وہ اسلام سے اپنی ناواقفیت کا ثبوت دیتا ہے۔ وہ عہد رسولؐ کی اس عظیم ثقافت سے انکار کرتا ہے جو عورت اور مرد کی مشترکہ جدوجہد سے وجود میں آئی تھی۔

آیئے اب ہم یہ دیکھیں کہ خدا کی کتاب عورت کے دائرہ کار کا تعین کس طرح کرتی ہے۔ جو لوگ عورت کے دائرہ کار کو صرف گھر کی چار دیواریوں تک محدود کیۓ دینے کے قائل ہیں وہ اپنے نقطۂ نظر کی صحت کے ثبوت میں سورۂ احزاب کی اس آیت کا حوالہ دیتے ہیں۔ "وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية." اس سے پہلے کہ ہم اس آیت پر روشنی ڈالیں ہم یہ چاہیں گے کہ آپ بذات خود اس آیت کو پورے سیاق وسباق میں ملاحظہ فرمائیں:

"اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دیجیۓ کہ اگر تم لوگ دنیا کے مزے چاہتی ہو اور اس کی چمک دمک تمہیں عزیز ہے تو آؤ ہم تمہارے لیے ان آسائشات کا انتظام کردیں اور تمہارے معاملے سے بطریق احسن دستبردار ہوجائیں۔ البتہ اگر تمہیں اللہ اور اس کے رسولؐ اور آخرت کی چاہ ہے تو واضح رہے کہ اللہ نے تم میں سے بہتر عمل والوں کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اے نبی کی بیگمات! اگر تم میں سے کوئی کھلی اخلاقی خرابی کا شکار ہوتا ہے تو اس کی سزا دوگنی کردی جائے گی اور ایسا کرنا اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔ اگر تم میں سے کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کا راستہ اختیار کرتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو ہم اسے دوگنے اجر سے نوازیں گے اور ہم نے اس کے لیے رزق کریم تیار کر رکھا ہے۔

اے نبی کی بیگمات! تم کسی اور عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دلفریب انداز سے گفتگو نہ کیا کرو، مبادا بیمار دل کا کوئی شخص لالچ میں مبتلا ہوجائے، بلکہ دوٹوک انداز سے بات کرو اور اپنے گھروں میں باوقار انداز سے بیٹھو اور دورِ جاہلیت کی طرح دلکشا سج دھج کا مظاہرہ نہ کرو اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہل بیت سے تمام آلائشات کو دور کردے اور تمہیں پوری طرح پاک کردے۔ اور ذکر جاری رکھو اللہ کی ان آیات اور حکمت کی ان باتوں کا جو تمہارے گھروں میں سنائی جاتی ہیں کہ بے شک اللہ توجہ فرمانے والا اور باخبر ہے۔"

(احزاب ۲۸-۳۴)

قرآن کا کوئی بھی باذوق قاری اور عربی زبان کی معمولی شد بد رکھنے والا شخص بھی بآسانی سمجھ

سکتا ہے کہ ان آیات میں تکرار اور تواتر کے ساتھ بار بار نبی کی بیویوں کو خطاب کیا جارہا ہے۔ انہیں اس بار عظیم کا احساس دلایا جارہا ہے جو نبی کی بیوی ہونے کی وجہ سے ان پر آن پڑا ہے۔ اس سورہ کی ابتداء میں انہیں امت کی مائیں قرار دیا گیا ہے۔ بھلا اتنے عظیم منصب پر فائز عورتوں سے عام مومن عورتوں کے مقابلے میں کہیں بڑھ چڑھ کر صالح عمل کی توقع کیوں نہ کی جائے؟ لہٰذا انہیں بار بار اس بات کا احساس دلایا جارہا ہے کہ تم عام دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ تمہارے لیے صالح زندگی کا معیار عام صالح زندگی سے بالکل مختلف ہے یعنی تمہاری لغزش کے لیے دوگنی سزا ہے اور تمہارے نیک عمل کے لیے دوہرا اجر۔ یہ ایک ایسا اعزاز ہے جو نبی کی بیویوں کے علاوہ کسی دوسری عورت کو حاصل نہیں۔ عام مومن عورتوں کے مقابلے میں نبی کی بیویوں پر کہیں زیادہ بندشیں عائد کردی گئیں ہیں۔ وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اللہ تم اہل بیت کو آلائشات سے پوری طرح پاک کردینا چاہتا ہے۔ یعنی اسلامی معاشرے میں نبی کی عورتیں خصوصی اعزاز واکرام کی مستحق ہیں، یہ اپنی نوعیت کی واحد روحانی فیملی ہے جو پیشوائی کے منصب پر فائض ہے۔ لہٰذا ان کے لیے بہتر ہے کہ گھروں میں وقار سے بیٹھیں کہ ان کا یہ گھر عام گھر نہیں ہے بلکہ وہ مبارک جگہ ہے جہاں وقت کا رسول انہیں خدا کی آیات سناتا ہے۔ اس لیے ان سے یہ مطالبہ ہے کہ اس عظیم اعزاز سے فائدہ اٹھائیں اور گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت کی باتوں کا ذکر جاری رکھیں۔

ع جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے

اب اگر کوئی شخص عام مومن عورتوں کو اسی منصب پر فائز کرنا چاہتا ہے اور ان کے لیے گھروں سے نکلنے کو ممنوع قرار دیتا ہو تو اسے چاہیے کہ پہلے وہ عام عورتوں کے لیے بھی دوہرے اجر کی ضمانت لائے جیسا کہ رسولؐ کی بیویوں کے لیے اللہ کا وعدہ ہے۔ اگر یہ آیات رسولؐ کی بیویوں کے لیے صراحت سے ایک سخت معیار قائم نہیں کرتیں تو آخر کیا وجہ ہے کہ اسی سورہ میں آگے کی آیات میں خصوصیت کا طرز مخاطب عمومیت سے بدل گیا ہے:

اے نبی اپنی بیویوں، بیٹیوں اور عام مومن عورتوں سے کہہ دیجیۓ کہ وہ اپنے اوپر چادر ڈال لیا کریں۔ یہ بہتر ہے تا کہ وہ پہچان لی جائیں اور انہیں تکلیف نہ پہنچے۔

(الاحزاب ۵۹)

یہ بات بھی محل نظر رہے کہ جن آیات میں خصوصیت سے نبی کی بیویوں کو خطاب کیا گیا ہے وہاں زندگی جینے کے اصول بہت سخت ہیں، وہاں اس بات کی ترغیب ہے کہ نبی کی عورتیں گھروں میں براجمان رہیں البتہ مذکورہ بالا آیت میں جہاں مسلم خواتین کو عمومی طور پر خطاب کیا گیا ہے وہاں عجیب بات یہ ہے کہ گھروں میں بیٹھنے کے نہیں بلکہ باہر نکلنے کے آداب بتائے گئے ہیں۔ گویا معاشرے میں عورت کی چلت پھرت کو تسلیم کرتے ہوئے ان امور کی طرف واضح رہنمائی دے دی گئی ہے جو اسلامی معاشرے کو جاہلی معاشرے سے ممتاز کرتے ہیں۔ یہاں سڑکوں پر نظر آنے والی عورت، عورت کا اشتہار نہیں ہوتی بلکہ زینت کو جلباب سے تحفظ دے کر عفت و تقدس کی پیکر بن جاتی ہے۔ نساء النبی اور نساء المومنین کے معیارات میں فرق مقصود نہ ہوتا تو آخر کیا وجہ تھی کہ ایک جگہ تو اللہ تعالیٰ صرف نبی کی بیویوں کو مخاطب کرتا یا نبی سے کہتا کہ اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے اور دوسری جگہ نبی سے یہ مطالبہ کیا جاتا کہ اپنی بیویوں، بیٹیوں اور عام عورتوں کو بھی بتا دیں؟ اب جو لوگ اس صریح وضاحت کے بعد بھی اس بات پر مصر ہوں کہ گھروں میں بیٹھے رہنے کا حکم صرف ازواج النبی کے لیے نہیں بلکہ اس کا اطلاق تمام مومن عورتوں پر ہوتا ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی مضبوط دلیل لائیں۔

عورت اور عورۃ

جو لوگ عورت کو گھروں میں مقفل کر دینے کے قائل ہیں ان کے نزدیک عورت پورا وجود ''عورۃ'' ہے۔ وہ اسے ڈھک چھپا کر رکھنے کی چیز سمجھتے ہیں حتیٰ کہ جسم کے وہ حصے جسے یہ حضرات ''عورۃ'' نہیں سمجھتے۔ مثلاً چہرہ اور ہتھیلی وہ اسے بھی کھلا رکھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ یہاں تک کہ ملفوف برقعے کے اندر سے اگر عورت کی آواز سنائی دے گئی تو اس سے بھی ان حضرات کے منہ کا ذائقہ بگڑ جاتا ہے، متقی پیشانیاں شکن آلود ہو جاتی ہیں۔ اس رویے کے حاملین کتاب و سنت سے کوئی دلیل لانے کے بجائے صرف اپنے ایجاد کردہ اصول احتیاط کو ہی کافی سمجھتے ہیں۔ انہیں چونکہ عورت کی چلت پھرت میں ہر لمحے فتنے کا خوف محسوس ہوتا ہے اس لیے اس مفروضہ دفع شر کی خاطر یہ مسلم عورت سے اس کا متحرک رول سلب کر لینے میں کچھ تکلف نہیں کرتے۔

عام مومن عورتوں کو تو جانے دیجئے قرآن تو نبی کی بیویوں کو غیر محرموں سے من وراء حجاب بات کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ عہد رسولؐ میں ازواج مطہرات کو علم دین کے اہم ماخذ کی حیثیت حاصل تھی، صحابہ کرام آپ سے احکام دین سنا کرتے، آپ ﷺ کے وصال کے بعد عرصہ تک حضرت عائشہؓ جیسی غیر معمولی خوبصورت اور ذہین خاتون منصب ارشاد پر فائز رہیں۔ سیدہ عائشہ کے سخت ترین مخالفوں کو بھی اس بات کی جرأت نہ ہوئی کہ فتنے کا سہارا لے کر ان کی آواز کو دبا سکتا یا معاشرے میں ان کے غیر معمولی اثرات کو کم کرنے کی کوشش کرتا۔

حضرت عمرؓ نے جب مہر کی ایک خاص حد متعین کرنا چاہا تو مسجد کے ایک گوشے سے ایک عورت نے اس کی پرزور مخالفت کرتے ہوئے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی ''اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لے آنے کا ارادہ کرہی لو تو خواہ تم نے اسے ڈھیروں مال کیوں نہ دیا اس میں سے کچھ واپس نہ لینا۔ وہاں اس بات پر کسی نے اعتراض نہ کیا کہ مردوں کی اسمبلی میں عورت کو اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کرنے کا حق کیسے حاصل ہوگیا؟ بلکہ اس کے برعکس اس عورت کی دلیل مستند مانی گئی اور حضرت عمر نے اپنی رائے سے رجوع کرتے ہوئے فرمایا ''ایک عورت صحیح بات پا گئی اور عمر سے غلطی ہوگئی۔'' اسی طرح حضرت ابوبکرؓ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان جب باغ فدک کے مسئلے پر نزاع اٹھ کھڑا ہوا تو کہا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہ نے اپنا حق ثابت کرنے کے لیے باقاعدہ ایک تقریر کی اور اس مسئلہ پر دونوں میں خاصی گرما گرم بحث ہوئی۔

شہادت عثمانؓ کے بعد جب خلافت کے مسئلہ پر پوری مسلم دنیا زبردست اختلافات سے دوچار تھی جس نے صفین اور جمل جیسے باہمی ٹکراؤ کو جنم دیا، فتنے کے اس پورے دور میں بھی عورت کی آواز کو دبانے کے لیے کسی قانونِ احتیاط کی روایت نہیں ملتی۔ حالانکہ عورت کا وجود سیاسی نظام پر مسلسل اثر انداز ہو رہا تھا۔ خصوصیت کے ساتھ جنگ جمل کی کمان تو کلی طور پر سیدہ عائشہؓ کے ہاتھوں میں تھی۔ لیکن فتنے کے اس سنگین دور میں بھی حضرت عائشہؓ کے بیرون خانہ رول پر کسی صحابی کو اعتراض نہ ہوا۔ ان کے لیے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو رہا تھا کہ ایک طرف سیدہ عائشہ ہیں تو دوسری طرف حضرت علی ان دونوں میں سے کس کا ساتھ دیا جائے۔ حضرت عائشہ کا عورت ہونا ان کے سیاسی سماجی رول سے معزولی کے لیے اگر کافی ہوتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ اتنی بڑی تعداد میں صحابہ کرام ان

کے ساتھ ہوتے۔ اگر عورت کی آواز کو سماجی سیاسی اداروں سے باہر رکھنے کے لیے اسلامی شریعت میں کوئی دلیل مل سکتی تو خواتین اہل بیت حسین کو یزید کے دربار میں خطابت کا جوہر دکھانے کا شاید موقع نہ ملتا۔ جہاں ایک ایک جملے سے وقت کے سیاسی نظام پر کاری ضرب پڑتی تھی اور جو نظام ہر جابرانہ طریقے سے اپنے مخالفین کا راستہ روک سکتا تھا اسے بھی فتنے کے بہانے سے خواتین اہل بیت کو خاموش کرنے کی ترکیب سمجھ میں نہ آئی۔ جب اللہ اور اس کا رسولؐ فتنے کے خوف سے عورت کی آواز پر روک نہیں لگاتا تو ہمیں اس بات کا حق کیسے حاصل ہوگیا کہ عورت کی آواز کو غیرمحرموں کے لیے ناجائز یا مکروہ بتائیں۔ کتاب و سنت کی کھلی ہدایت کے باوجود اگر کوئی شخص عورت کی آواز کو فتنہ کے خوف سے حرام قرار دیتا ہو اور کہتا ہو کہ احناف کے نزدیک ایسا ہی معروف ہے یا بعض شافعی علماء کو اس بات پر اصرار ہو کہ عورت کی آواز اجنبی مردوں کے سامنے قابل ستر ہے۔ خواہ فتنے کا خوف ہو یا نہ ہو تو اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ "اتخدوہ احبارھم ورھبانھم ارباب من دون اللہ." (توبہ: ۳۱) اس رویے کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

للرجال عليهن درجة

اسلام کی آمد سے معاشرے کے جن طبقات کو خصوصیت سے فائدہ پہنچا ان میں غلام اور عورتیں سرفہرست ہیں۔ ان دونوں کو مکمل انسان کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا، قدروں کے نئے میزانئے میں مراتب کی درجہ بندی کا معیار تقویٰ قرار پایا اس بات کی اہمیت جاتی رہی کہ کوئی شخص غلام ہے یا آقا مرد ہے یا عورت۔ غلام کو آزاد کرنا عمل صالح قرار پایا اور جس کسی کو دو یا تین بچیوں کی پرورش کا موقع مل گیا اسے جنت کی خوش خبری سنائی گئی۔ غلام اور عورت دونوں طبقوں نے اسلام میں اپنی آزادی کا وافر سامان پایا۔ سماجی روحانی انقلاب مدینہ میں ہر لمحے موجزن تھا۔ کل تک جن بچیوں کی پیدائش باعث ننگ و عار سمجھی جاتی تھی آج وہ رسولؐ کے مقدس مشن میں برابر کی شریک و سہیم نظر آتی تھیں۔ نئے انقلاب نے عورت کو پہلی بار صاحب الرائے اور صاحب عقل تسلیم کیا تھا اور اس کے مشوروں کو مومن مردوں کی طرح لائق عمل گردانا تھا بلکہ رسولؐ کے بعض عمل سے اس بات کا بھی اشارہ ملتا تھا کہ مفید اور قابل عمل مشورے دینے میں عورت مرد پر سبقت لے جاسکتی ہے۔

حدیبیہ کے میدان میں جب اسلامی لشکر نے رسول کے احکام بجا لانے میں پس و پیش کا مظاہرہ کیا جب آپؐ کے قریبی رفقاء نے بھی سمع و طاعت کی اس ڈسپلن کا ثبوت نہ دیا جس کی ان سے توقع کی جاتی تھی اس وقت آپ ﷺ انتہائی پریشانی کے عالم میں اپنی بیوی ام سلمٰی کے خیمے میں داخل ہوئے۔ آپؐ صورت حال سے سخت کبیدہ خاطر تھے اور آپ کو اس بات کا بے حد ملال تھا کہ آپؐ کے اصحاب آپ کا حکم بجا لانے میں پس و پیش کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ بحران کے سنگین لمحے میں حضرت ام سلمٰی نے جو مشورہ دیا اس نے اس بحرانی کیفیت کو حل کردیا۔ ایک عورت کے صائب مشورے کا یہ ایک ایسا اظہار تھا جس نے آنے والے دنوں میں اس بحث کو ختم کردیا کہ بات کہنے والا مرد ہے یا عورت۔ بعد کے عہد میں جب رفتہ رفتہ مسلم معاشرے میں اسلامی انقلابی ایجنڈے پر زور کم ہوتا گیا اور امت کی اخلاقی حالت پہلے جیسی نہ رہی تو احتیاط اور تحفظ کی نفسیات نے خوب خوب کام کیا۔ سیاسی اقتدار چونکہ منہج نبوت سے ہٹ کر ملوکیت کی راہ پر چل نکلا تھا اس لیے اسلام کی بہی خواہی کا یہی راستہ نظر آیا کہ سماجی اور علمی و روحانی سطح پر جو کچھ باقی رہ گیا ہے اس کی حفاظت کی جائے۔ امت میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی جو اس نظام جبر کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے۔ پھر امام حسین کی شہادت اور مسلمانوں کے مابین خوں ریز جنگوں سے بھی بہت سے لوگ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ امت کی فلاح اسی میں ہے کہ خون خرابے کا راستہ ترک کرکے اسلامی معاشرے کی غیرسیاسی سطح پر خدمت کی جائے۔ بعد کے ایام میں امام زین العابدین کی شہادت اور عمر بن عبدالعزیز کی پراسرار موت سے بھی اس رویے کے حاملین کا اثر بڑھتا گیا۔ آنے والے دنوں میں تحفظ کی اس نفسیات نے ان میدانوں سے بھی عورت کو بے دخل کرنے کی کوشش کی جہاں آپ ﷺ نے اسے جگہ دی تھی۔ مسلم معاشرے کی اخلاقی حالت اگر رو بہ زوال تھی تو ضرورت تو اس بات کی تھی کہ اس زوال کے بنیادی ماخذ پر چوٹ کی جاتی، معاشرے کو دوبارہ منہج نبوت پر قائم کرنے کی کوشش کی جاتی لیکن ہوا یہ کہ احتیاط کی منطق کو کام میں لاتے ہوئے خواتین کو سماجی منظر سے بے دخل کرنے کی کوشش کی گئی تاکہ ان کی عدم موجودگی سے فتنے کا امکان جاتا رہے۔ اس قبیل کی ایک دلچسپ مثال کعبہ کے طواف سے متعلق ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مکہ کے گورنر محمد بن ہشام نے جب یہ محسوس کیا کہ طواف کے دوران مرد و زن کے مخلوط طواف میں فتنہ کا وافر سامان موجود ہے تو اس نے طواف کے

دوران عورتوں اور مردوں کو ایک دوسرے سے دور رکھنے کے لیے بعض ترمیمات کا ارادہ کیا لیکن اس وقت ایک معروف محدث عطا نے اس کی یہ اسکیم کامیاب نہ ہونے دی۔ عطا کی دلیل تھی کہ جب رسولؐ کی بیویوں نے کعبہ کے مخلوط طواف میں حصہ لیا ہے تو تم ان عورتوں کو مردوں کے ساتھ طواف میں شامل ہونے سے کیسے روک سکتے ہو؟

آج اگر بعض لوگ مسلم خاتون کو اہم سماجی اور سیاسی رول دینے سے گریزاں ہیں تو اس کی وجہ فتنے کا خوف نہیں کہ ایک غیر مسلم معاشرے میں تو فتنہ کا وافر سامان پہلے ہی سے موجود ہے، ان حضرات کو اس بات کا بھی خوب احساس ہے کہ یہ فتنہ ٹیلی ویژن کے مختلف چینلوں، انٹرنیٹ کے راستے اور ذرائع ابلاغ کے مختلف بہانوں سے اب ہمارے ڈرائنگ روم میں گھس آیا ہے۔ البتہ مسلم خاتون کو ایک سماجی رول دینے میں جو چیز مانع ہے وہ دراصل بعض مروجہ تصورات اور تحفظات ہیں جو عورت کے حوالے سے ان حضرات کے ذہن میں کہیں نہ کہیں موجود ضرور ہیں۔ یہ خیال عام ہے کہ عورت ذہنی اور فکری سطح پر مرد کے مقابلے میں کمتر ہے اس لیے اسے بعض اسٹریٹجک نوعیت کی ذمہ داری نہیں سونپی جاسکتی اور نہ ہی نازک امور کو اس پر چھوڑا جاسکتا ہے کہ وہ ناقص العقل ہے۔ اس خیال کے مطابق مردوں کو تو ہر حال میں عورتوں پر برتری اور فوقیت حاصل ہے کہ ''للرجال **علیهن درجه**''. مرد کی برتری ثابت کرنے کے لیے قرآنی آیت کے اس ٹکڑے کا اسی بے احتیاطی اور غیر ذمہ داری کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے جس طرح دنیا کی تمام عورتوں کو ذلیل کرنے کے لیے بعض کم علم حضرات ''**ان کیدکن عظیم**'' کا تیر چلا دیتے ہیں۔ حالانکہ مؤخرالذکر کا سیاق وسباق عزیز مصر کی بدکار عورت کا واقعہ ہے۔ آیئے سب سے پہلے ''**للرجال علیهن درجة**'' کو پورے سیاق وسباق میں دیکھا جائے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ پوری آیت ملاحظہ کیجیے:

> ''طلاق یافتہ عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنے معاملے میں تین مدت ماہواری تک انتظار کریں اور ان کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو اللہ نے ان کے ارحام میں پیدا کردی ہیں کہ اگر وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں اور ان کے مردوں کو اس بات کا کہیں بہتر حق حاصل ہے کہ وہ انہیں اس مدت میں واپس لے لیں بشرطیکہ ارادہ اصلاح احوال کا ہو اور عورتوں کو ویسے ہی حقوق حاصل ہیں جیسے مردوں پر عورتوں کے

> ہیں، البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ حاصل ہے اور اللہ عزیز وحکیم ہے۔''
>
> (البقرہ ۲۲۸)

یقیناً مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ حاصل ہے مگر کس معاملے میں؟ جو شخص بھی کھلے ذہن سے اس آیت کا مطالعہ کرے گا اس کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہ ہوگا کہ مرد وعورت کے تعلقات میں قدرت نے جو پیچیدگیاں رکھی ہیں اس میں اگر اچانک انقطاع کی صورت پیدا ہوجائے تو مرد کے مقابلے میں عورت کے لیے یہ مرحلہ زیادہ سخت ہے۔ مرد فوری طور پر دوسری شادی کے لیے سوچ سکتا ہے لیکن عورت کے لیے تین مدت ماہواری تک انتظار کرنا لازم ہوگا۔ اسی اثناء مردوں کو اس بات کا بہتر حق دیا گیا کہ وہ اگر اصلاح احوال کی گنجائش سمجھتے ہوں تو اس امکان سے ضرور فائدہ اٹھائیں۔ گو کہ حقوق دونوں کے ایک دوسرے پر یکساں ہیں اور اس معاملے میں کسی کو کسی پر فوقیت نہیں دی گئی ہے البتہ طلاق کے مسئلہ کو آغاز سے انجام تک پہنچانے میں مرد کے بنیادی رول کو تسلیم کیا گیا ہے۔ زن وشوہر کی علیحدگی کے لیے شریعت نے جو اصول وضع کئے ہیں اس میں طلاق کے بنیادی محرک کی حیثیت سے مرد کو بہرحال عورت پر ایک درجہ حاصل ہے مرد اپنے طور پر طلاق کا اختیار استعمال کرسکتا ہے جب کہ عورت کو علیحدگی کے لیے عدالت سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔ آیت مذکور میں اسی ''درجہ'' کی طرف اشارہ ہے۔

اب اگر کوئی شخص اس ٹکڑے کو سیاق وسباق سے ہٹا کر یہ عمومی اصول وضع کرتا ہے کہ زندگی کے تمام معاملات میں مردوں کو عورتوں پر فوقیت حاصل ہے یا کسی کو اس بات پر اصرار ہو کہ دنیا کے سارے مردوں کو دنیا کی ساری عورتوں پر فوقیت حاصل ہے تو وہ دراصل کتاب اللہ کے ساتھ مذاق کرتا ہے۔ قرآن کا یہ مزاج نہیں کہ کسی قوم، گروہ یا جنس کو عمومیت کے ساتھ بہتر یا کمتر بتائے۔ یہاں تو سارا زور انفرادی عمل پر ہے، "**للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن.**'' (النساء ۳۲) جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ مردوں کو عمومی طور پر عورتوں پر تفوق حاصل ہے ان سے کوئی یہ پوچھے کہ موجودہ دنیا کے بڑے بڑے صاحب تقویٰ بھی کیا آسیہ اور مریم کی برابری کا دعویٰ کرسکتے ہیں؟ خود صحابہ کرام کے دور میں جب حضرت علی اور حضرت عائشہ کی فوجیں آمنے سامنے تھیں کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہوئی کہ جنسی بنیادوں پر حضرت علی کو حضرت عائشہ

پر فوقیت حاصل ہے۔

اگر محض کسی کا عورت ہونا اس کے روحانی یا سماجی نقص کے لیے کافی ہوتا تو یہ کیسے ممکن ہوتا کہ مومن مردوں کے لیے اصحاب فضیلت مومن عورتوں کو نمونہ اور قدوہ کے طور پر پیش کیا جاتا:

> ''اہل ایمان کے سامنے اللہ فرعون کی بیوی کو مثال کے طور پر پیش کرتا ہے۔ یاد کرو جب اس نے کہا، اے خدا! میرے لیے جنت میں اپنے قریب ایک گھر بنا دے اور فرعون اور اس کی حرکتوں سے نجات دے اور مجھے نجات دے ظالموں کی قوم سے۔
> اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی عفت کی حفاظت کی اور ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی اور جس نے اپنے رب کے کلمات اور وحی کی تصدیق کی اور جو فرماں بردار بندیوں میں ایک تھی۔'' (تحریم ۱۱-۱۲)

اللہ کی ان نیک بندیوں کو تمام مومنین کے لیے لائق اتباع مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ اصل عبارت میں "للذین آمنو" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں اس لیے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ ان آیات کی مخاطب صرف مومن عورتیں ہیں۔ ان تمام مردوں اور عورتوں سے جو ایمان لائے قرآن کا مطالبہ ہے کہ وہ اگر اعلیٰ ایمانی مدارج کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اور انہیں بھی اپنے رب کی قربت میں جنت میں ایک گھر کی خواہش ہو تو آسیہ اور مریم کا راستہ اختیار کریں۔ اب اگر کسی کا مرد ہونا اس کے تفوق کے لیے کافی ہوتا تو کیا ضرورت تھی کہ اسے قرب الٰہی کے حصول کے لیے پاکباز عورتوں کے راستے پر چلنے کی دعوت دی جاتی؟

وخلق منها زوجها

بعض حلقوں میں عورت کی تخلیق کے تعلق سے ایسے تصورات پائے جاتے ہیں جو عورت کو مرد سے کم تر درجے کی تخلیق باور کراتے ہیں۔ یہودی اور عیسائی روایات کے زیر اثر یہ خیال عام ہے کہ عورت مرد کی پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور جو چیز مرد کے جسم کے ایک حصے کی مرہون منت ہو بھلا اسے برابری کا درجہ کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ پھر یہ خیال بھی عام ہے کہ عورت ہے بہر حال ناقص اور بعض حلقوں نے کمزور روایتوں کا سہارا لے کر ناقص العقل والدین بھی قرار دے رکھا ہے۔ اگر عورت

کی تخلیق میں واقعی کوئی نقص ہے اور وہ مرد سے کمتر درجے کی مخلوق ہے تو یقیناً یہ بات امت کے اجتماعی مفاد میں نہیں کہ ڈھیر سارے مردوں کی موجودگی میں عورت کو کسی اہم تر ذمہ داری پر فائز کیا جائے۔ لیکن کسی مروجہ مفروضے کو جوں کا توں صحیح مان لینے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کتاب و سنت سے اس نظریے کی تصدیق ہوتی ہے یا نہیں۔

عورت ہی کیا قدرت کی ہر تخلیق خواہ چھوٹی ہو یا بڑی اپنی جگہ شاہکار ہے، نقص اور عیب سے پاک ہے۔ جہاں تک انسانوں کا معاملہ ہے تو اسے اللہ نے تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ''ہم نے انسان کو بہترین تقویم میں پیدا کیا ہے'' (۴: ۹۵) دوسری جگہ اللہ کا حکم ہے، "فاقم وجهک للدین حنیفا فطرت الله التی فطر الناس علیها" (۳۰:۳۰) یعنی پیدائشی طور پر سارے انسان فطرت سلیم کے حامل ہیں۔ عورت کو بہترین تقویم کی صفت سے خارج کر دینا یا اس کی تخلیق میں عقل کا نقص بتا کر کسی بھی سطح پر اسے کم تر درجے کی مخلوق ثابت کرنے کی قرآنی اساس کیا ہے؟ آیئے "وخلق منها زوجها" والی آیت پر ایک نظر ڈالیں:

> ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک نفس سے/میں پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور پھر ان دونوں سے بے شمار مرد و عورت پھیلا دیے۔ اللہ سے ڈرو جس کے حوالے سے تم اپنے باہمی حقوق طلب کرتے ہو اور ارحام کا خیال رکھو۔ بے شک اللہ تمہارے اوپر نظر رکھے ہوئے ہے۔'' (نساء ۱)

قرآن نے پہلے انسانی جوڑے سے متعلق جتنی کم تفصیلات دی ہیں اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تفصیلات قرآنی تصور حیات کے خط و خال وضع کرنے میں کچھ زیادہ اہمیت کی حامل نہیں۔ یہاں صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ دنیا کے سارے مرد اور عورت ایک ہی نفس یا روح سے پیدا کئے گئے ہیں اور اسی روح سے ان کا جوڑا بھی پیدا کیا گیا ہے۔ لفظ نفس عربی زبان میں فی نفسہ تو مونث ہے۔ البتہ اس سیاق میں اسے وسیع معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور یہی معاملہ لفظ زوج کا بھی ہے جو ہے تو مذکر مگر وسیع معنوں میں قرآن میں کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ لفظ من میں ''سے'' اور ''میں'' دونوں استعمال کی یکساں گنجائش موجود ہے۔ اس آیت کا لب لباب یہ ہے کہ دنیا کے تمام انسانوں کو خواہ مرد ہو یا عورت ایک ہی نفس سے پیدا کیا گیا ہے۔ ان کی تخلیق میں جو روح استعمال ہوئی ہے یا جس

گارے سے ان کا خمیر تیار ہوا ہے وہ ایک ہی ہے۔ حتیٰ کہ جغرافیائی تقسیم بھی ان کے درمیان تفوق کی کوئی دیوار نہیں کھڑی کرسکتا کہ ان سبھوں کا ماخذ ومنبع تو وہی ایک نفس ہے۔ تلقین کی گئی ہے کہ اللہ سے ڈرو۔ مرد عورت کے باہمی حقوق کی طلبی میں ارحام کا خیال رکھو۔ اس آیت میں بنیادی طور پر دو باتوں پر زور ہے۔ اولاً اللہ سے ڈرو اور ثانیاً یہ کہ کارخانہ رحم کی تخلیقی عظمت کو نہ بھول جاؤ۔ دیکھا جائے تو یہ آیت عورت کو مرد کا کمتر حصہ بتانے کے بجائے عورت کی زبردست تخلیقی عظمت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اہل ایمان کو اس بارے میں متوجہ کرتی ہے کہ عورت سے اپنے باہمی حقوق کی طلبی میں اس حقیقت کو نہ بھول جانا کہ اس کائنات میں تمہارا داخلہ کسی عورت کی مادرانہ شفقت ومحبت کے نتیجے میں ہی ممکن ہوا ہے۔

رہی بائبل کی یہ کہانی کہ عورت مرد کی پسلی سے پیدا کی گئی ہے تو قرآنی تصور حیات (Qur'anic Weltanschauung) میں اس جیسے کسی قصے کی کوئی گنجائش نہیں۔ قرآن عورت اور مرد کو یکساں اہمیت کا حامل بتاتا ہے۔ زندگی کے کسی بھی گوشے میں وہ عورت کو مرد کا ضمیمہ نہیں گردانتا۔ وہ تو بائبل کی اس کہانی کا بھی انکار کرتا ہے جس میں جنت سے خروج کی ساری ذمہ داری عورت کے سر ڈال دی گئی ہے اور جس سے یہ تاثر عام ہے کہ عورت میں وساوس کا شکار ہوجانے اور گمرہی کو قبول کرلینے کی کوئی فطری صلاحیت پائی جاتی ہے۔ بائبل کے برخلاف قرآن باغ عدن سے خروج کی ذمہ داری یکساں طور پر مرد وعورت پر ڈالتا ہے:

"پس شیطان نے اسے ورغلایا اے آدم کیا تجھے میں پتہ نہ بتاؤں اس شجرۃ الخلد کا اور ایک ایسی شہنشاہیت کا جسے کبھی زوال نہیں؟ پھر کیا تھا ان دونوں نے اس درخت سے کھالیا۔ پھر ان دونوں کے جسم سے لباس غائب ہوگئے اور وہ دونوں اپنے جسم کو چھپانے کے لیے جنت کے پتوں کو باہم جوڑنے لگے۔ اس طرح آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور گمراہی کا شکار ہوگیا۔" (طٰہٰ ۱۲۰-۱۲۱)

الرجال قوامون علی النساء

جو لوگ عورت کو مرد سے کمتر درجے کی مخلوق سمجھتے ہوں وہ یقیناً اس بات کی ضرورت محسوس

کریں گے کہ اس ناسمجھ مخلوق کو دنیا وآخرت کی تباہی سے بچانے کے لیے پوری طرح اس کی لگام اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ ان حضرات کے نزدیک عورت کی پسند وناپسند اس کی انفرادی آزادی، دنیا و آخرت کے لیے کسی راستے کے انتخاب کا حق یہ سب کچھ مردوں کے تابع ہوکر رہ گیا ہے۔ اپنے اس رویے کی صحت کے لیے یہ حضرات قرآن کی اس آیت کا سہارا لیتے ہیں:

"مرد عورتوں پر قوام ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور چونکہ مرد اپنے مال میں سے خرچ کرتے ہیں اور پاکباز عورتیں فرماں بردار ہوتی ہیں جو تنہائی میں ان چیزوں کی حفاظت کرتی ہیں جن کی اللہ نے حفاظت کے لیے کہا ہے۔" (نساء ۳۴)

"بما فضل الله بعضهم علی بعض" سے بعض حضرات کو یہ غلط فہمی ہوگئی ہے کہ یہ دراصل ایک طرح کا عمومی بیان (sweeping statement) ہے جس میں عورتوں کے اوپر مردوں کی برتری کو واضح کیا گیا ہے۔ لیکن اس آیت کا قرآنی ورلڈ ویو میں قدرے باریک بینی سے مطالعہ کرنے پر یہ غلط فہمی خود بخود رفع ہوجاتی ہے۔ پہلی بات تو یہ سمجھ لینے کی ہے کہ اس آیت میں مردوں کی قوامیت کا کوئی اجمالی اصول بیان نہیں ہوا ہے۔ آیت کا اگلا ٹکڑا جو دراصل قوامیت کے اسباب بیان کرتا ہے لفظ "قوام" کی اجمالیت کو محدود کردیتا ہے۔ مرد عورتوں پر قوام ہیں اس لیے کہ اولاً اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ ثانیاً اس لیے کہ مرد اپنے مال میں سے عورتوں پر خرچ کرتے ہیں۔ معاشرے کے بنیادی یونٹ خاندان کی معاشی تنظیم میں مرد کو اگر خاندان کے قوام کی حیثیت حاصل ہے تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے منتظم کے منصب پر فائز کیا ہے اور اسی کے اوپر ضرورتِ زندگی کو پورا کرنے کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔

عورت پر افزائش نسل کی جو عظیم ذمہ داری ڈال دی گئی ہے انصاف کا تقاضا تھا کہ اسے حصولِ معاش کی ذمہ داری سے سبکدوش کردیا جاتا۔ اسلامی معاشرے میں نان ونفقے کی تمام تر ذمہ داری مرد پر ڈال کر اسے گھر کے قوام کی حیثیت دے دی گئی ہے۔ قوام ہونا ایک معاشی ذمہ داری ہے اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ مرد جسمانی، روحانی یا عقلی طور پر عورت سے ممتاز ہے۔ پھر قوام ہونے کے لیے جو بنیادی شرائط عائد کی گئی ہیں اس میں ایک کا تعلق تو اس کے مرد ہونے سے ہے جو فضل کے نتیجے میں اسے خود حاصل ہوگیا ہے۔ البتہ دوسری شرط کی ہے۔ اگر کسی وجہ سے مرد معاشی ذمہ داریوں

سے پہلوتہی کرتا ہے تو اس کی قوامیت خطرے میں پڑ جائے گی۔

جو لوگ اس آیت کو مردوں کی برتری کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں وہ اسی رعایت سے "**والصالحات قانتات**" کا ترجمہ "مومن عورتیں شوہروں کی فرماں بردار ہوتی ہیں" کر ڈالتے ہیں۔ حالانکہ یہاں فرماں برداری سے اللہ کی فرماں برداری مراد ہے نہ کہ شوہروں کی۔ قرآن میں جہاں دوسری جگہوں پر بھی 'قانتات' کا لفظ آیا ہے اس کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ پھر جو لوگ اس آیت سے مراد مردوں کی برتری لیتے ہیں ان کے نزدیک کیا دنیا کے سارے مرد دنیا کی ساری عورتوں پر قوام ہیں؟ اگر نہیں تو کون کس کے لیے قوام ہے؟ ایک عمومی بیان کے بجائے یہ آیت خاندان کے چھوٹے سے ڈھانچے پر مرکوز ہوجاتی ہے۔ آگے اس بات کی وضاحت بھی کردی گئی ہے کہ دنیا کے سارے مردوں کو دنیا کی ساری عورتوں پر فضیلت نہیں ہے بلکہ بعض کو بعض پر۔ اس آیت میں مردوں کی فضیلت کی وجہ معاشی بتائی گئی ہے نہ تو یہاں ان کی مضبوط جسمانی ساخت کا کوئی تذکرہ ہے نہ ہی ان کی عقلی یا روحانی برتری کی طرف کوئی اشارہ۔ رہا روحانی یا عقلی سطح پر کسی کو کسی پر فوقیت دینے کا سوال تو یہ لوگوں کے اپنے ذہن کی اختراع ہے۔ معاشی طور پر مرد کی برتری ہی خاندان میں اسے ایسے کلیدی منصب پر فائز کردیتی ہے کہ اس کی رائے گھر میں بڑی اہمیت اختیار کرجاتی ہے، اسی کلیدی مرتبے کو جو مال کمانے کی وجہ سے اسے حاصل ہوگیا ہے اللہ تعالیٰ "فضل" سے تعبیر کرتا ہے۔ اس کا یہ خصوصی مقام جو گھر چلانے والے کی حیثیت سے اسے حاصل ہوگیا ہے صرف معاشی معاملات تک محدود ہے۔ رہا علمی، یا عقلی سطح پر اس کی برتری کا مسئلہ تو اس کا انحصار تمام تر اس کی اپنی کاوش پر ہے۔ اسی طرح عورت کو اپنے شوہر کی اس معاشی برتری کو کھلے دل سے تسلیم کرنا چاہیے کہ اللہ نے مرد کو اس ذمہ داری پر فائز کیا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ وہ بڑی مشقتوں سے اس کے لیے ضروریات زندگی جٹاتا ہے۔ گھر کے امور چلانے میں اسے بہرحال باس کی حیثیت تو حاصل ہے ہی۔ البتہ قوام کو اس بات کی اجازت نہیں ہوسکتی کہ وہ عورت سے مکمل اتباع کا مطالبہ کرے یا عورت کی دینی، روحانی اور علمی ترقی اس کے رحم وکرم کی محتاج ہوکر رہ جائے۔ عورت کی انفرادی حیثیت اپنی جگہ مسلم ہے اسے خود اپنی دنیا وآخرت کی فکر کرنی ہے صالح معاشرہ کے قیام کی جو ذمہ داری اس پر ڈالی گئی ہے اس کے لیے خدا کے حضور اسے خود جواب دہ ہونا ہے وہاں کوئی

"قوام صاحب" اس کی دادرسی کو نہ آئیں گے۔ اس لیے کسی قوام کو یہ اختیار نہیں دیا جاسکتا کہ وہ خود بھی غلبہ دین کی جدوجہد سے جان چرائے اور اپنی عورت کو بھی اس مشن میں شرکت سے روک دے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے "**لا طاعة لمن لم يطع الله**" یعنی جو شخص اللہ کی اطاعت نہ کرے اس کی اطاعت ہرگز نہیں کی جائے۔

عورت اور امور مملکت

اسلامی معاشرے میں مرد اور عورت کی بنیادی شناخت امت کے حوالے سے ہوتی ہے۔ مرد کی طرح عورت بھی انبیائی تحریک کی ایک اہم رکن ہے، اسے ہر لمحے یہ فکر لاحق ہوتی ہے کہ انقلابی تحریک کا کارواں کس مرحلے میں ہے آگے کیا کچھ ہونا ہے۔ اسلامی نظام عدل کے قیام میں وہ برابر کی ذمہ داری محسوس کرتی ہے۔ اسلامی تحریک کو سیاست کے مرحلے تک لانے میں جن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے ان تمام مراحل میں مرد کی طرح عورت بھی پیش پیش ہوتی ہے۔ خواہ وہ مال کی قربانی کا معاملہ ہو یا وطن خیرباد کہنے کا مسئلہ یا اللہ کی راہ میں جان دینے اور لینے کے مراحل، قرآن مسلم عورت سے یکساں قربانی کا مطالبہ کرتا ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ جب اسلامی ریاست وجود میں آجائے تو عورت اپنے آپ کو اسلامی تحریک سے کلیتاً کنارہ کش کرلے۔ جس معاشرے کو قائم کرنے میں اس نے اپنی جان ومال کی بازی لگائی ہے۔ اس کے مستقبل سے وہ کس طرح بے فکر ہوسکتی ہے؟ پھر اسلام اگر عورت کو روحانی اور عقلی طور پر مرد سے کم تر نہیں سمجھتا تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ کی پاک بندیوں کو امور مملکت میں عمل دخل سے روک دے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین کے عہد میں اہم پالیسی امور میں مسلم خواتین سے مشورہ ضروری سمجھا جاتا تھا اور خلیفہ کے انتخاب میں بھی ان کی رائے اہمیت رکھتی تھی۔ حضرت عمر کے وصال کے بعد جب خلیفہ کے لیے مجوزہ ناموں کی فہرست حضرت عثمان اور حضرت علی کے ناموں پر آکر رک گئی اور ان دو میں سے کسی ایک کے انتخاب کے مسئلے نے نزاکت اختیار کرلی تو عبدالرحمٰن بن عوف نے کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے جن کلیدی اشخاص سے ملاقات کی۔ ان میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ (البدایہ والنہایہ) یہاں تک کہ اگر ایسی صورت حال پیش آگئی کہ کسی مسلم خاتون نے اپنی انفرادی ذمہ داری پر کوئی اسٹریٹجک نوعیت کا فیصلہ لے لیا

تو اسلامی ریاست نے اسے معتبر ٹھہرایا۔ ام ہانی بنت ابوطالب سے ایک واقعہ منقول ہے، کہتی ہیں:

فتح مکہ کے سال میں رسولؐ کے پاس گئی عرض کیا ''اے خدا کے رسول! میری ماں کے بیٹے علی نے ایک ایسے شخص کو قتل کرنے کا تہیہ کیا ہوا ہے جسے میں امان دے چکی ہوں۔ آپ نے فرمایا: اے ام ہانی! ہم نے بھی اسے امان دیا جسے تم امان دے چکی ہو۔'' (شیخین)

جنگ جمل میں حضرت عائشہ کی قیادت اور انتہائی نازک حالت میں امورِ مملکت کو صحیح رخ دینے کی کوشش سے بھی اس امر کی مزید وضاحت ہوتی ہے کہ مسلم خواتین امورِ مملکت سے لاتعلق نہیں رہ سکتیں۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد واضح طور پر یہ خطرہ محسوس ہونے لگا تھا کہ اب اسلامی ریاست کی بنیادیں ہلنے لگی ہیں، ریاست کا نظم و ضبط ٹوٹ چکا تھا، باغیوں کو کھلی چھوٹ مل گئی تھی، افراتفری کا عجب عالم تھا۔ صورتِ حال اتنی خراب تھی کہ حضرت علی جیسے صاحب عزم نے بھی بددل ہو کر خلافت کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر جب فتنے کا زور تھما تو ایسا محسوس ہوا گویا خود خلیفہ وقت باغیوں کے ہاتھوں بے بس ہو گئے ہوں۔ حضرت عائشہ کے سامنے دو راستے تھے یا تو اپنی آنکھوں کے سامنے اسلامی ریاست کے تار و پود کو بکھرتا دیکھیں یا پھر اصلاح احوال کے لیے اٹھ کھڑی ہوں۔ حضرت عائشہ نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ آپ نے بڑے پیمانے پر ملک بھر میں اپنے سفیر بھیجے اور مسلمانوں سے عام اپیل کی کہ اصلاح احوال کی اس مہم میں وہ ان کا ساتھ دیں۔ لیکن جنگ جمل نتائج کے اعتبار سے حوصلہ افزاء ثابت نہیں ہوئی، بڑے پیمانے پر مسلمانوں کا خون بہا اور اس کے نتیجے میں متوقع اہداف بھی حاصل نہ ہو سکے۔ جنگ جمل میں حضرت عائشہ کی ناکامی نے بعد کے ایام میں مسلمانوں میں یہ احساس پیدا کر دیا کہ شاید عورت کی قیادت میں کوئی معرکہ سر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تقریباً وہی ذہنیت ہے جو خروج کے سلسلے میں آج جمہور مسلمانوں میں پائی جاتی ہے۔ دونوں کی وجہ تقریباً وہی ہے یعنی خون خرابے سے بچتے ہوئے ٹھنڈے ٹھنڈے اسلام کی خدمت کی جائے۔ قرن اول میں مسلمانوں کی پے در پے کوششوں کے باوجود خلافت کو دوبارہ منہج نبوت پر قائم کرنا ممکن نہ ہوا۔ یہاں تک کہ جب امام حسین اور ان کے اہل بیت کی شہادت بھی ملوکیت کے نظام کو اکھاڑ پھینکنے میں ناکام ہو گئی تو عام مسلمانوں میں یہ خیال مقبول ہوتا گیا کہ امت کا مفاد اسی میں ہے کہ خون خرابے سے بچتے ہوئے زندگی کے دوسرے شعبے میں اسلام کو قائم کرنے کی کوشش کی

جائے اور سلطان جابر سے کچھ تعرض نہ کیا جائے۔ رفتہ رفتہ بعد کے دنوں میں اس رویے کو اتنا اعتبار حاصل ہو گیا کہ آج علماء کی ایک بڑی تعداد عملاً اسی رویے پر گامزن ہے۔ حضرت عائشہ کی ناکامی سے بھی عورت کی قیادت کے سلسلے میں اسی طرح کے منفی خیالات کو فروغ ہوا اور بعد کے دنوں میں عورت کی قیادت سے متعلق یہ حدیث کہ ''وہ قوم فلاح نہیں پا سکتی جس نے عورت کی قیادت قبول کر لی''، جنگ جمل میں حضرت عائشہ کی شکست کے بعد روایت کی گئی ہے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ جس امت میں خدا اور اس کے رسول کی باتوں کی اتنی اہمیت ہو کہ رسول کے ایک قول یا قرآن کی ایک آیت پیش کر دینے پر غور و فکر کے سانچے بدل جاتے ہوں، جہاں فیصلہ کن جنگی مراحل میں قرآن کو فضا میں لہرانے اور اس کے حکم بنانے پر جنگ کا پانسہ پلٹ جاتا ہو وہاں اگر یہ حدیث جنگ سے پہلے لوگوں کے سامنے پیش کی جاتی تو حضرت عائشہ کی حمایت میں کوئی ہاتھ اٹھتا۔ خود حضرت عائشہ کے لیے یہ ممکن نہ ہوتا کہ وہ اس حدیثِ رسول کی موجودگی میں لشکرِ اسلامی کی کمان سنبھالیں۔

جب اسلام جنس، رنگ یا نسل کی بنیاد پر کسی کو کمتر قرار نہیں دیتا، جب اسلام ''**ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم**'' کی پرزور وکالت کرتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کا رسول کسی عاقلہ مومنہ کو منصب قیادت سے صرف اسی لیے معزول کر دے کہ وہ عورت ہے۔ کیا واقعی عورت کی قیادت میں کوئی قوم فلاح نہیں پا سکتی؟ آیئے دیکھیں قرآن اس بارے میں کیا کہتا ہے۔

ملکہ سبا بلقیس کا قصہ بیان کرتے ہوئے قرآن خاص طور پر اس بات کی وضاحت کرتا ہے۔ وہ ایک خاتون حکمراں تھی ''**امراۃ تملکھم**'' لیکن اس عورت کو کہیں بھی اس کی قوم کی ہلاکت کی وجہ نہیں بتائی گئی ہے اور نہ ہی عملاً اس قصے میں ایسا ہوا ہے۔ اس کے برعکس ملکہ سبا کی کہانی ان جزئیات کی طرف تفصیل سے اشارہ کرتی ہے کہ کس طرح ایک عورت کی حکمت اور دانائی سے نہ صرف یہ کہ خود اسے ہدایت حاصل ہوئی بلکہ اس کی پوری قوم راہِ راست پر آ گئی۔ غیر اللہ کی بندگی سے نکل کر الہ واحد کی بندگی میں داخل ہونے کا سہرا قرآن صرف اور صرف اس خاتون حکمراں کے سر باندھتا ہے۔ دیکھیے قبولِ حق اور فلاحِ آخرت کے معاملے میں بلقیس کتنی مستعد نظر آتی ہے:

> اس نے کہا اے رفقائے کرام مجھے ایک مہربان خط موصول ہوا ہے۔ یہ سلیمان کی طرف سے ہے اور کچھ اس طرح ہے ''اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

تم میرے سلسلے میں غرور کا مظاہرہ نہ کرو بلکہ میرے پاس اس طرح آؤ کہ تم مسلمانوں میں سے ہو۔ اس نے کہا: رفقائے کرام! مجھے اس بارے میں مشورہ دو، میں کسی مسئلہ کو تمہارے مشورے کے بغیر فیصل نہیں کرتی۔ ان لوگوں نے کہا ہم لوگ طاقتور ہیں۔ خونریز جنگ لڑنے کی صلاحیت رکھتے ہیں البتہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے سوحکم دیجئے ہمیں کرنا کیا ہے؟ اس نے کہا: بات یہ ہے کہ بادشاہ جب کسی علاقے میں داخل ہوتے ہیں تو اسے روند ڈالتے ہیں اور اس کے باوقار لوگوں کو بے وقار کردیتے ہیں۔ وہ بالعموم ایسا ہی کرتے ہیں۔ البتہ میں انہیں ہدیہ بھیجتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ ہمارا سفیر کیا خبر لاتا ہے۔
(نمل ۳۲-۳۵)

پھر وہ مرحلہ بھی آتا ہے جب وہ پکار اٹھتی ہے:

اے میرے رب! میں نے اپنی روح پر بہت ظلم کیا۔ اب میں سلیمان کے ہاتھ پر ایمان لاتی ہوں اس اللہ پر جو دونوں عالم کا رب ہے۔

اس واقعہ کے بیان میں جو پہلو سب سے نمایاں ہے وہ یہ کہ سلیمان کے پیغام کی موصولی سے لے کر قبول اسلام تک بلقیس کا رویہ حق کے سچے متلاشی کا رویہ ہے۔ سلیمان کا خط اس کے لیے ''کتاب کریم'' کا درجہ رکھتا ہے۔ وہ اسے اپنے اقتدار کے نشے میں ٹھکراتی نہیں اور نہ درباریوں کی اس یقین دہانی کو کوئی اہمیت دیتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو اس مسئلہ کو قوت کے زور پر بھی حل کیا جاسکتا ہے۔ اس کے برعکس اس کا رویہ تلاش اور جستجو کا ہے۔ اپنے سفیر کو تحائف کے ساتھ بھیج کر یہ دیکھنا چاہتی ہے کہ سلیمان واقعی نبی ہیں یا یہ سب کچھ محض ہوسِ ملک گیری کی ایک چال ہے اور جب سلیمان کی نبوت اور الٰہ واحد کا بے پایاں فضل اس پر واضح ہوجاتا ہے تو ایک لمحے کے توقف کے بغیر اپنے ایمان کا اعلان کردیتی ہے۔ وہ اس بات کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتی کہ وطن لوٹ کر اپنے مصاحبین سے مشورہ کرے۔ سورج پرستی سے الٰہ واحد کی بندگی اور گمراہی سے فلاح کا راستہ دریافت کرنے میں وہ تن تنہا سفر کرتی ہے، کسی مصاحب یا رفیق کی حمایت کی اسے ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اس سفر میں نہ صرف یہ کہ وہ خود کامیاب ہوتی ہے بلکہ پوری قوم کو فلاح سے ہمکنار کردیتی ہے۔

گویا کسی قوم کی فلاح کا انحصار اس بات پر نہیں ہے کہ اس کی قیادت مرد کے ہاتھ میں ہے یا اس منصب پر کوئی عورت فائز کردی گئی ہے۔ بنیادی اوصاف قبول حق کا مادہ، خدا ترسی اور حکمت و دانائی ہے۔ یہ چیزیں کسی عورت میں جمع ہوجائیں تو ملکہ سبا بن جاتی ہے جس کی حکمت اور دانائی آنے والی نسلوں کے لیے مثال بنا دی جاتی ہے اور ان ہی خصوصیات سے اگر کوئی مرد حکمراں خالی ہوجائے تو وہ ابرہہ کی شکل میں اپنی ہٹ دھرمی اور جھوٹے غرور کی ایک ایسی عبرت ناک تاریخ چھوڑ جاتا ہے جس سے آنے والی نسلیں سبق لے سکیں۔ وہ خود بھی ہلاک ہوتا ہے بلکہ پوری قوم کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔

عورت اور سماجی زندگی

اسلامی معاشرہ ایک نظریاتی معاشرہ ہے۔ اس کا وجود ایک مستقبل تحریک کی حیثیت رکھتا ہے کیا عورت کیا مرد، کیا بوڑھا کیا بچہ ہر ایک کو یہ فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ زمین کی خلافت کے جس منصب جلیلہ پر اسے فائز کیا گیا ہے اس میں کوئی کوتاہی تو نہیں ہورہی ہے۔ جس نظام عدل کی تعمیر میں عورت اور مرد دونوں کا یکساں رول ہو اور جس کی حفاظت اور ارتقاء میں دونوں کی یکساں ذمہ داری ہو بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کسی ایسے معاشرے کی پبلک لائف سے عورتوں کو خارج کردیا جائے۔ اسلامی معاشرے میں عورتیں اسی طرح چلتی پھرتی نظر آتی ہیں جس طرح مرد۔ البتہ ان کا یہ چلنا پھرنا ان حدود کے تابع ہوتا ہے جو ایک مسلمہ کی حیثیت سے اسلام ان پر عائد کرتا ہے۔ آداب حجاب کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ زندگی کے ہر گوشے میں اپنی بہترین صلاحیت کا اظہار کرسکتی ہے۔ اسلام نے اسے صرف جائیداد رکھنے کی ہی اجازت نہیں دی۔ اسے یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ اپنی جائیداد کی دیکھ ریکھ کرے اور اگر تجارت یا صنعت کے ذریعے اس میں اضافہ کرسکتی ہے تو اسے آزادانہ طور پر اس بات کی اجازت حاصل ہے۔ عہد رسولؐ میں جو خواتین اپنے بہتر تجارتی تجربے کی وجہ سے معروف تھیں ان میں قبیلہ ام بنی انمر کا نام سرفہرست ہے۔ عہد رسول میں یہ بات معیوب نہ تھی کہ کوئی عورت خرید وفروخت کے لیے گھر سے باہر جائے۔ ترمذی نے ابو یاسر کے حوالے سے ایک عورت کا واقعہ نقل کیا ہے جو ان سے کچھ خریدنے آئی تھی۔ حضرت عمر نے تو شفاء بنت عبداللہ کو بازار کی پالیسی

امور کا نگراں تک بنا دیا تھا۔ (الاصابہ) عورت گھر کے باہر مرد کے کام میں کس طرح شریک ہوتی تھی۔ اس سلسلے میں اسماء بنت ابوبکر کا واقعہ بخاری نے قدرے تفصیل سے نقل کیا ہے۔ آپ بھی ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ عہد رسولؐ کی مسلم خاتون معاشرے میں کس طرح چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ اسماء اپنے شوہر زبیر کے کاموں میں اپنی شرکت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتی ہیں: ''میں اپنے سروں پر پھولوں کی ٹوکری لاد کر لاتی اس زمین سے جو رسولؐ نے زبیر کو دی تھی۔ یہ زمین تقریباً تین فرسک (کوئی تین کیلومیٹر) دور تھی۔ ایک دن جب میں اپنے سر پر بوجھ اٹھائے آرہی تھی راستے میں میری ملاقات رسولؐ اللہ سے ہوئی جن کے ساتھ دوسرے بہت سے انصار تھے۔ رسولؐ اللہ نے مجھے اپنے پیچھے اونٹ پر بیٹھنے کی پیش کش کی لیکن مجھے مردوں کے گروپ میں شریک ہونے سے شرم آئی۔ رسول اللہ نے محسوس کیا کہ حیاء مانع ہے۔ لہٰذا انہوں نے میرے بغیر اپنا سفر جاری رکھا۔ بعد میں جب میں نے یہ واقعہ زبیر سے بیان کیا اور یہ بتایا کہ کس طرح انصار کی ایک جمعیت کے ساتھ میری ملاقات رسولؐ اللہ سے ہوئی اور میں نے کس طرح ان کی پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے اونٹ کو جھکا دیا تھا تا کہ میں ان کے پیچھے بیٹھ سکوں۔ میں نے کہا زبیر دراصل مجھے شرم معلوم ہوئی...''

اسلام نہ تو عورت اور مرد کو الگ الگ خانوں میں رکھنے کا قائل ہے اور نہ ہی آزادانہ اختلاط (free-mixing) کی اجازت دیتا ہے۔ یہاں نہ تو عورتوں کو گھروں میں مقفل کر دینے کی کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی اس بات کی اجازت کہ اللہ کی بندیاں رقص و سرور کی محفلوں میں حدود اللہ کی پامالی کریں۔ یہاں گھر کے باہر، عام مجالس میں یا شارع عام پر عورت اور مرد ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور اگر کسی پبلک پلیس پر کسی عورت کو پریشان دیکھ کر کوئی مرد اس کی مدد کے لیے آگے بڑھتا ہے تو متقیوں کی پیشانی شکن آلود نہیں ہوتی۔ ملاحظہ کیجئے قرآن مجید بنات یعقوب سے حضرت موسیٰ کی ملاقات کو کس طرح بیان کرتا ہے:

> ''اور جب وہ پہنچے مدائن کے کنوئیں کے قریب تو وہاں ان کا سامنا انسانوں کے ایک غول سے ہوا جو اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہا تھا اور ان کے قریب ہی انہوں نے دیکھا کہ دو خواتین انتظار کر رہی ہیں (اپنے مویشیوں کے ساتھ) انہوں نے پوچھا آخر بات کیا

> ہے؟ ان خواتین نے کہا، ہم اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتے جب تک یہ چرواہے فارغ نہ ہو جائیں۔ اس لیے کہ ہمارا باپ ایک بوڑھا آدمی ہے۔'' (قصص ۲۳)

مسجد جو سماجی زندگی کی شہ رگ ہے۔ اس کا دروازہ اسلام نے عورت پر اسی طرح کھلا رکھا ہے جس طرح مردوں پر۔ گو کہ عورتوں کو نماز باجماعت سے رخصت دی گئی ہے۔ لیکن اگر اس بہانے کوئی اسے مسجد کی سماجی سیاسی زندگی سے بے دخل کرنا چاہے تو اس کے لیے آپ ﷺ کا تاکیدی حکم موجود ہے، ''اللہ کی بندیوں کو مسجد میں جانے سے نہ روکو۔'' امام مسلم نے عبداللہ بن عمر کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کے ایک صاحب زادے نے اس حدیث کے سننے کے باوجود یہ بات کہی کہ از راہ احتیاط میں اپنی عورتوں کو رات کے وقت مسجد میں جانے کی اجازت نہیں دوں گا تو عبداللہ بن عمر سخت غضب ناک ہو گئے۔ انہوں نے کہا، ''میں کہتا ہوں کہ اللہ کے رسولؐ نے یہ بات کہی ہے اور پھر بھی تمہاری یہ ہمت کہ تم کہتے ہو کہ میں اجازت نہیں دوں گا۔'' رات ہو یا دن باہر حالات خراب ہوں یا امن قائم ہو اسلامی شریعت عورت کو یہ اجازت دیتی ہے کہ وہ مسجد میں اپنا عمل دخل برقرار رکھے۔ اسلام جب اپنی مقدس ترین عبادت گاہوں حرم کعبہ اور حرم مسجد نبوی میں عورتوں کا استقبال کرتا ہے، جب حج کے عظیم الشان اجتماع میں اللہ کی بندیوں کی شمولیت تسلیم شدہ ہے تو وہ اسے روز مرہ کی ملی سماجی زندگی میں شرکت سے کیسے روک سکتا ہے؟ عہد رسولؐ کے معاشرے میں شاید ہی کوئی ایسا سماجی اجتماع (public-gathering) ہو جہاں عورت نظر نہ آتی ہو۔ عیدین کے موقع پر تو آپ ﷺ کی تاکید تھی کہ وہ عورتیں بھی عیدگاہ پہنچیں جو ایام حیض کی وجہ سے نماز ادا کرنے کی پوزیشن میں نہ ہوں: ''سبھی خواتین بوڑھی، بچی اور حائضہ عید کے اجتماع میں شرکت کے لیے ضرور جائیں اور اسلام کی برکتوں سے لطف اندوز ہوں۔ البتہ حائضہ عورتیں نماز میں شریک نہ ہوں۔'' (بخاری)

مسجد نبوی کی مجالس میں عورت اور مرد مشترکہ طور پر شریک ہوتے تھے۔ احادیث کے قریبی مطالعے سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ خواتین شرکاء صرف سامع کی حیثیت سے غیر متعلق نہیں بیٹھی رہتیں بلکہ سوال و جواب اور بحث و مباحثے میں پوری سرگرمی سے حصہ لیتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے ایک خطبے کے دوران تو ایک خاتون نے تو عین دوران خطبہ یہ جاننے کی کوشش کی تھی کہ آخر عورتوں کی بڑی تعداد جہنم میں کیوں جائے گی؟ (مسلم) حضرت ابوہریرہ نے آپؐ کی

ایک مشترکہ علمی مجلس کا واقعہ کچھ اس طرح نقل کیا ہے: ''رسولؐ نے ابھی اپنی نماز ختم ہی کی تھی کہ وہ ہم لوگوں کی طرف مڑے اور ہم سبھوں کو بیٹھے رہنے کا حکم دیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ''کیا تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اپنی بیوی سے صحبت کرتے وقت تو دروازے بند کر لیتا ہے لیکن جب وہ باہر جاتا ہے تو ہر شخص سے اس کا تذکرہ کرتا ہے کہ اس نے کیسے اور کیسے کیا؟ تمام مرد حاضرین خاموش رہے۔ تب رسول خواتین کی طرف مڑے اور پوچھا کیا تم میں کوئی اپنے جنسی معاملات دوسری عورتوں سے بیان کرتا ہے؟ یہ سن کر حاضرین میں سے ایک نوجوان عورت گھٹنوں کے بل کھڑی ہوئی اور اپنی گردن رسولؐ کی طرف بڑھائی تاکہ اسے دیکھ لیں اور اس کی بات سن لی جائے۔ اس نے کہا، واللہ سبھی مرد آپس میں ان معاملات پر گفتگو کرتے ہیں اور اسی طرح عورتیں بھی۔ رسول نے کہا: تمہیں معلوم ہے تمہارے اس عمل کی مثال کیسی ہے؟ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی شیطانی جوڑا عین شارع عام پر لوگوں کے سامنے اپنے جنسی خواہشات کی تکمیل کرتا ہو۔ (احمد اور ابوداؤد)

البتہ جب حاضرین کی کثرت کی وجہ سے عورتوں کو آپؐ کی بات سننے میں دشواری پیش آنے لگی اور بعض ایسے مسائل پر احکام طلب کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی جن کے تذکرے پر مشترکہ مجالس میں حیاء مانع تھی تو عورتوں کی طرف سے ہی یہ مطالبہ آیا کہ اے اللہ کے رسولؐ ''مردوں نے آپ کے گرد گھیرا بندی کر رکھا ہے'' اس مطالبے پر آپ نے خواتین کے لیے علیحدہ دن مخصوص کر دیا۔ (بخاری)

عورت اور میدان جنگ

مستحکم اسلامی ریاست میں جب اسلامی معاشرہ قائم ہو چکا ہو اور اسلامی فوجیں دور دراز کے ملکوں میں اشاعت اسلام میں مصروف ہوں۔ عورت پر یہ ذمہ داری نہیں ڈالی گئی ہے کہ وہ براہِ راست عملی جنگ میں حصہ لے۔ جب یہ کام مومن مرد بخوبی انجام دینے کی پوزیشن میں ہوں تو اسے میدان جنگ سے مکمل رخصت ہے۔ البتہ وہ اگر شرکت کرنا چاہے تو یہ اس کا اختیاری فیصلہ ہے۔ رہی ایک ایسی صورت حال کی بات جب اسلام اور مسلمان سخت ترین ذلت سے دوچار ہوں جب پوری امت پر ضعف کا ایک ایسا دور گزر رہا ہو جو اس کی تاریخ کا بدترین دور ہو اور جب مومن مردوں کی

سر توڑ کوششوں کے باوجود عالمی نظام کفر کا الٹ پھینکنا ممکن نہ ہو رہا ہو تو ایسی سنگین صورتِ حال میں قرآن مومن مردوں کی طرح عورتوں سے بھی توقع کرتا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی پیش کریں:

''پس ان کے رب نے ان کی فریاد منظور کر لی، میں تم میں سے کسی کا اجر ضائع کرنے والا نہیں ہوں۔ خواہ مرد ہو یا عورت۔ تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔ لہٰذا جن لوگوں نے میری خاطر وطن چھوڑا اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور میرے لیے لڑے اور مارے گئے۔ یقیناً میں ان کے گناہ معاف کر دوں گا اور انہیں ایسی جنت میں داخل کروں گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ ہے اللہ کا انعام اور اللہ بہترین انعام دینے والا ہے۔'' (آل عمران ۱۹۵)

قرآن کی اس آیت کا شان نزول ایک ایسی صورت حال ہے جب امت ابھی مستحکم صالح نظام کی طرف پیش قدمی کر رہی تھی۔ بدر اور احد کے معرکے امت کے لیے موت و حیات کی حیثیت رکھتے تھے، دشمنوں کے مقابلے میں مسلمان افرادی اور حربی ہر دو اعتبار سے کمزور تھے، اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ امت کے پاس جتنی بھی قوت ہے اسے ایک فیصلہ کن جدوجہد میں جھونک دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست کے استحکام اور فتح مکہ سے قبل عورتیں جنگی معرکوں میں حصہ لیتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ البتہ ریاست کے استحکام اور کفر کے سرنگوں ہو جانے کے بعد جنگوں میں ان کی باقاعدہ شرکت کا تذکرہ بہت زیادہ نہیں ملتا۔ عہد رسولؐ کے جنگی معرکوں میں مسلم خواتین بڑے جوش و خروش سے حصہ لیتیں۔ عام طور پر ان کا رول (Paramilitary Staff) نیم فوجی دستوں کا ہوتا۔ اگر اس دوران کبھی ایسا محسوس ہوتا کہ مسلم فوج کفار کے مقابلے میں پسپا ہونے لگی ہے تو وہ براہِ راست دشمن سے قتال کے لیے بھی میدان میں آ جاتیں۔ بخاری نے حضرت انس کے حوالے سے لکھا ہے کہ جنگ احد میں جب مسلم فوج کے قدم اکھڑ گئے تھے میں نے دیکھا کہ عائشہ اور ام سلیم اپنی پیٹھ پر مشکیزہ لاتیں اور مسلمانوں کی پیاس بجھاتیں۔ بدر میں مسلمانوں کی فتح کے بعد احد کے معرکے کو مستقبل کے لیے کلیدی اہمیت حاصل ہو گئی تھیں۔ اس لیے اس کی منصوبہ بندی خاص طور پر کی گئی اور امت کی جو کچھ بھی قوت تھی اس میں جھونک دی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری جنگوں

کے مقابلے میں احد میں خواتین کی زیادہ سرگرم شرکت کا پتہ چلتا ہے۔ نصیبہ بنت کعب کی بہادری کا واقعہ مختلف مورخین نے نقل کیا ہے جو احد کے میدان میں آئی تو اس ارادے سے تھیں کہ ان کا کام زخمیوں کو پانی پلانا ہوگا لیکن جب اسلام کے مستقبل کی جنگ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہوگئی تو انہوں نے راست جنگ میں شرکت کا فیصلہ کرلیا۔ انہوں نے دشمنوں پر ہیبت طاری کردی اور دشمن کے فوجیوں کو کاری ضرب پہنچایا۔ پھر جب احد کا معرکہ خطرناک مرحلے میں داخل ہوگیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی ذات اقدس دشمنوں کی زد میں آگئی تو اس خطرناک لمحے میں نصیبہ رسولؐ کی مدافعت میں ڈٹی رہیں (طبقات) کہا جاتا ہے رسولؐ نے آپ کی اس غیر معمولی جرأت کی بہت تعریف کی۔

احادیث میں بعض خواتین کا نام اس اعتبار سے ممتاز ہے کہ لشکر اسلامی کی طبی ٹیم میں انہیں ممتاز مقام حاصل ہے۔ لیلیٰ الغفار ان میں سے ایک ہیں جنہیں آپ ﷺ کی جنگی مہموں میں شرکت کا موقع ملتا۔ انہیں زخمیوں کا علاج اور بیماروں کی تیمارداری کا خاص ملکہ حاصل تھا (الاصابہ) بخاری کی روایت کے مطابق ان کے ذمہ بنیادی کام یہ تھا کہ وہ پیاسوں کو پانی پلائیں، زخمیوں کا علاج کریں اور شہداء کی لاشوں کو مدینہ منتقل کریں۔ معرکہ احد کی طبی ٹیم میں حمنہ بنت جحش کا نام بھی خاصا نمایاں ہے۔ عہد رسولؐ کی مسلم خواتین خود کو ایک بے بس مخلوق تصور نہیں کرتیں اور نہ یہ سمجھتیں کہ خطرات کے لمحات میں ان کی حفاظت کی کلی ذمہ داری مردوں کے سر ہے بلکہ جب کبھی بھی حالات پر گرفت کمزور ہوتی دکھائی دی اور انہیں اپنی اور اپنے بچوں کی زندگی خطرے میں نظر آئی انہوں نے راست اقدام کا فیصلہ کرلیا۔ جنگ خندق کے موقع پر دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، مقابلے کا میدان خاصا پھیلا ہوا تھا مسلمانوں کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ قلعہ بند عورتوں کی نگرانی کے لیے مردوں کی کوئی جمعیت مخصوص کرسکیں۔ اس موقع پر صرف حسن بن ثاقب کو اس کام پر مامور کیا گیا۔ قلعے کے اندر حقیقی صورت حال کا جب تک دشمنوں کو اندازہ نہ تھا قلعہ پر حملے کا امکان نہ تھا۔ دریں اثنا ایک یہودی قلعے کی نچلی دیوار پر چڑھتا ہوا نظر آیا۔ قریب تھا کہ وہ حقیقی صورتِ حال سے واقف ہوجاتا۔ صفیہ بنت عبدالمطلب نے معاملے کی نزاکت کو بھانپ لیا۔ انہوں نے اپنی جان پر کھیل کر اس یہودی کا خاتمہ کردیا (الاصابہ) بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ اس کی گردن کاٹ کر قلعے کے باہر پھینک دی گئی تاکہ دشمن سمجھیں کہ قلعے میں خاصے مرد موجود ہیں اور انہیں حملے کی ہمت نہ ہو۔

خواتین کی جنگوں میں شرکت صرف مدافعت تک محدود نہ تھی اور نہ ایسا تھا کہ وہ نیم فوجی دستوں سے آگے سوچنے کا حوصلہ نہ رکھتی تھیں۔ ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جب خواتین نے عین مردوں کی طرح جہاد میں راست شرکت کی ہے۔ ام ضحاک بنت مسعود کے بارے میں یہ تفصیل ملتی ہے کہ انہوں نے خیبر کے جنگی معرکے میں شرکت کی اور آپؐ نے انہیں مال غنیمت میں اسی طرح حصہ دیا جس طرح کسی مرد کو۔ نصیبہ بنت کعب جن کا تذکرہ ہم معرکہ احد کے حوالے سے اوپر کرچکے ہیں انہوں نے جنگ یمامہ میں حصہ لیا تھا جس میں ان کے بیٹے عبداللہ کو شہادت ملی اور ان کا ایک بازو جاتا رہا۔ (الاصابہ) ام سلیم بنت ملحن کے اس خنجر کا تذکرہ بھی تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے جو وہ حنین کے معرکے میں لیے پھرتی تھیں اور بنت ملحن کی اس بشارت سے کون واقف نہیں جو رسول اللہ نے انہیں دی تھی کہ ہمارے کچھ لوگ اللہ کی خاطر سبز سمندر کی سطحوں پر سفر کریں گے تو ملحن کی اس بیٹی نے خواہش ظاہر کی اے اللہ کے رسولؐ ہمارا نام بھی ان میں شامل ہونے کی دعا کردیجیے۔ (بخاری) آپ ﷺ نے اس حقیقت کے باوجود کے وہ ایک خاتون تھیں، دور دراز کے جنگی معرکوں میں ان کی شرکت کے لیے دعا کردی۔

پردہ مگر کس حد تک؟

پردے کے بارے میں یہ تصور عام ہے کہ یہ اسلام کا ایک حکم تو ضرور ہے البتہ یہ فی زمانہ قابل عمل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن گھروں میں پردے کا چلن رفتہ رفتہ اٹھتا گیا ہے اور جہاں اب آزاد مخلوط ماحول کے اقدار رائج ہوگئے ہیں وہاں بھی پردے کے بارے میں نظری طور پر کسی باغیانہ رویے کا اظہار نہیں ہوتا۔ البتہ یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ اگر ہمیں فی زمانہ بھاگتی دوڑتی زندگی پر اپنی گرفت بنائے رکھنی ہے تو پردے کے ساتھ یہ کام انجام پا نہیں سکتا۔ جس طرح بہت سے مسلمان اسلامی نظام کے بغیر اسلام پر عمل پیرا ہونا ممکن سمجھتے ہیں اسی طرح ہماری بہت سی بہنیں بھی احکام حجاب کی پابندی کے بغیر کامیاب دینی اور دنیوی زندگی کی تشکیل میں مصروف نظر آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں بھی عبادت کا ذوق وشوق اور اپنی آخرت کے لیے کچھ نہ کچھ کرتے رہنے کا پروگرام ضرور پایا جاتا ہے۔

پھر عام ذہنوں میں پردے کا جو مفہوم پایا جاتا ہے وہ بھی اتنا متضاد اور مختلف ہے کہ عام مسلم خاتون کے لیے یہ فیصلہ کرنا خاصا دشوار ہوجاتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا مطلوبہ پردہ کون سا ہے۔ جو خواتین ترک پردہ کے مراحل سے گزر کر اب زندگی کی ہماہمی میں دور تک نکل آئی ہیں ان کے اندر کبھی اللہ اور اس کے رسول کے حوالے سے احکام حجاب پر عمل کا داعیہ بھی پیدا ہوتا ہے تو وہ یہ سوچ کر اس خیال کو ترک کردیتی ہیں کہ مروجہ سخت قوانینِ حجاب کی پابندی ان کے لیے ممکن نہیں۔ اس لیے کہ پردے کے نام پر جو جامد تصوراتی روایات ہمارے معاشرے میں رائج ہیں وہ بہرحال کسی دوڑتی بھاگتی زندگی کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ مسلم خواتین میں جوں جوں گھر سے نکلنے کا رواج بڑھتا جاتا ہے اسی قدر پردے کا رواج ہماری سوسائٹی سے اٹھتا جاتا ہے جو لوگ اس وقت پردے پر عامل ہیں یا اس کی حمایت میں دلیل لاتے ہیں وہ بھی انتہاپسندی کا شکار ہیں اور جو لوگ سارے حدود سے آزاد ہوکر مادی زندگی کی دوڑ دھوپ میں حجاب کے احکام الٰہی سے دور نکل آئے ہیں وہ بھی راہ حق سے بھٹک گئے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم خواتین کو دوبارہ مسلم معاشرے میں واپس لایا جائے اور مسلم معاشرہ اپنے دامن میں اتنی وسعت پیدا کرے کہ ہماری بہنیں غیراسلامی نظام کے بجائے اسلامی معاشرے کی آغوش میں فکر وعمل کی کہیں زیادہ آزادی محسوس کرسکیں اور یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب مسلم معاشرہ مسلم خاتون کو وہ سب کچھ دے دے جو اللہ اور اس کے رسول نے عطا کیا ہے اور جسے رفتہ رفتہ بعد کے مسلم معاشرے نے سلب کرلیا ہے۔

پردہ مسلم خواتین کی آزادی کی علامت ہے۔ جلباب مسلم خواتین کو صرف احساس تحفظ عطا نہیں کرتا بلکہ یہ اس بات کا اعلان بھی ہے کہ حجاب کی شرعی حدود کی پاسداری کرتے ہوئے مسلم خاتون ملی زندگی کی تعمیر میں ایک سرگرم رول ادا کرسکتی ہے۔ یہ گویا اس بات کا اعلان ہے کہ اسلام نے مرد اور عورت کو یکساں مواقع دیے ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لیے ایک صالح معاشرہ کے قیام کے لیے، اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو انجام دینے کے لیے، جو کچھ بن پڑے ضرور کرے۔ البتہ گھروں سے باہر سماجی زندگی میں مرد اور عورت دونوں کے لیے بعض رہنما اصول متعین کئے گئے ہیں تاکہ جو لوگ ایک صالح معاشرے کے قیام کے لیے شب و روز سرگرم ہوں وہ کسی بشری وساوس کے شکار نہ ہوجائیں۔

ایسا نہ ہو کہ جو لوگ اللہ کی رضا کے لیے گھروں سے نکلے ہوں ان کے سماجی تعامل سے کوئی ایسی صورت حال پیدا ہو جو کامیابی کے بجائے خسارے کی طرف لے جاتی ہو۔ لہٰذا اہل ایمان کے لیے حکم ہے:

''مومن مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت وعفت کی حفاظت کریں۔''

اسی طرح مومن عورتوں سے بھی کہا گیا ہے کہ:

''وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں۔''

البتہ ان سے مزید مطالبہ یہ ہے کہ وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس زینت کے جو خود ظاہر ہوجائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنی ڈال لیا کریں اور اپنے پاؤں اس طرح زمین پر مارتی نہ چلیں کہ ان کی چھپی ہوئی زینت کا برسرعام اعلان ہو۔ گویا مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی چلت پھرت بعض خصوصی احکامات کے تابع ہے۔ پھر اس سلسلے کی بعض دوسری آیات میں اس بات کی صراحت بھی کردی گئی ہے کہ گھروں سے باہر اپنی زینت کو چھپانے کے لیے مسلم خواتین کیا طریقہ اختیار کریں؟ گھر کے اندر خمار یعنی چھوٹی اوڑھنی کا استعمال کافی سمجھا گیا۔ البتہ گھر سے باہر نکلنے کے لیے بڑی چادر یعنی جلباب کی شرط عائد کردی گئی۔ رہی یہ بات کہ مسلم خواتین کا گھروں سے کب نکلنا مناسب ہے اور کب نامناسب؟ یا کون سا کام ضروری حاجت میں شمار کیا جائے گا اور کون سا غیرضروری؟ تو اس بارے میں کوئی خط تنسیخ نہیں کھینچی گئی ہے بلکہ یہ لوگوں کی اپنی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ خود اس بات کا فیصلہ کریں کہ ایک پاکیزہ اسلامی معاشرے کے قیام میں ان کی کس قدر چلت پھرت معاون ہوسکتی ہے اور کس قسم کی سرگرمی سے معاشرے کے تقدس کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ گویا اسلام کے بنیادی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلم معاشرے کو خود یہ طے کرنا ہے کہ وہ ایک بہتر اسلامی معاشرے کی تشکیل میں مسلمان مرد وعورت سے کب کس طرح کی سرگرمی کا طالب ہے؟ مسلم معاشرے کی بدلتی ضرورتوں کے تحت مرد و عورت سے مطالبات بھی بدل سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی ہنگامی صورت حال میں محاذ جہاد پر مردوں کی قوت ناکافی ہوگئی ہو یا اسلامی معاشرے کو دشمنوں کی زد سے بچائے رکھنا صرف مردوں کے بس کی بات نہ ہو تو ایسی صورت میں مسلم خواتین پر

اضافی ذمہ داری عائد ہو جائے گی۔ بدلتی ہوئی سماجی اور سیاسی ضرورتیں مرد اور عورت کے نئے رول کی تشکیل کریں گی۔ ہنگامی حالات میں مسلمان عورتوں پر جس قدر ذمہ داریاں عائد ہوں گی، معمول کی صورت حال میں اس قدر مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ گویا سماجی زندگی میں عورت کا رول ہو یا مرد کا یہ سب کچھ جامد اور ناقابل تغیر شے نہیں ہے۔ کبھی عورت کا گھر سے باہر متحرک رہنا کارِ ثواب ہو سکتا ہے تو کبھی گھر کے اندر کی ان ذمہ داریوں کو ادا کرنا قابل ترجیح ہوگا جس سے صرف نظری چہار دیواری کے سکون کو برباد کر سکتی ہے۔

اسلام چونکہ ہر دور کے لیے ایک قابل عمل نظام فراہم کرتا ہے۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ اس کی عائد کردہ اخلاقی پابندیاں اور اختلاط مرد و زن کے حدود ہمارے عہد کے لیے قابل عمل نہ ہوں۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اگر اسلام مسلم خواتین سے احکام حجاب کی پابندی کا طالب ہے تو اسے ہر زمانے میں دنیا کے ہر ملک میں قابل عمل سمجھا جائے گا۔ کسی بڑے سے بڑے فقیہ وقت کو بھی اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ قرآن کے صریح احکامات کے باوجود اس میں اپنی طرف سے کوئی نرمی پیدا کرے اور نہ ہی کسی کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حجاب کے سلسلے میں مسلم خواتین سے جس قدر مطالبہ کیا ہے اس پر اپنی طرف سے کوئی اضافہ کرے۔

ہمارے خیال میں قرآن نے پردے کا جو تصور قائم کیا ہے اس پر عمل کرنا نہ کل مشکل تھا اور نہ آج ہے۔ مسئلہ وہاں پیدا ہوتا ہے جب پردے کے قرآنی احکام کی تشریح و تعبیر میں ہم احتیاط کے نام پر اپنی عقل سے کچھ اضافہ کر دیتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ دین میں غلو سے سخت منع کیا گیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ ''دین میں غلو سے بچو۔ اس لیے کہ اس سے پہلے کی قومیں دین میں غلو کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہیں۔'' ہمیں یہ بات بھی یاد رہنی چاہیے کہ ''**ومن یتعد حدود اللہ فاولئک ھم الظالمون.**''

قرآن کا مطلوبہ پردہ

پردے کے سلسلے میں قرآن میں دو طرح کی آیات وارد ہوئی ہیں۔ ایک کا تعلق براہِ راست نبی کی ازواج مطہرات سے ہے تو دوسری عام مومن عورتوں کو خطاب کرتی ہے۔ جو آیات ازواج

مطہرات سے متعلق ہے وہاں حجاب کے احکامات انتہائی سخت ہیں بلکہ قرآن کی جس آیت میں حجاب کا لفظ وارد ہوا ہے جسے عام طور پر آیت حجاب کہا جاتا ہے وہ بھی دراصل رسول اکرمؐ کے گھر میں عام مسلمانوں کو آنے جانے کا سلیقہ سکھاتی ہے۔ اسی آیت میں مسلمانوں سے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب وہ رسول کی بیویوں سے کسی چیز کا سوال کریں تو انہیں چاہیے کہ وہ ایسا پردے کے پیچھے سے کریں۔ اسی آیت میں آگے چل کر یہ بھی بتایا گیا ہے کہ رسول کے بعد کوئی ان کی بیویوں سے نکاح کی جرأت نہ کرے کہ ایسا کرنا اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے۔ اب آپ پوری آیت خود ملاحظہ کیجئے:

> ''اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخلے سے بچو۔ الا یہ کہ تمہیں طلب کیا گیا ہو کھانے پر لیکن وقت سے پہلے نہیں۔ البتہ اگر تمہیں دعوت ملے تو ضرور آؤ۔ پھر جب کھا چکو تو اپنی راہ لو اور باتوں میں نہ لگے رہو کہ ایسا کرنا نبی کے لیے تکلیف کا باعث ہوتا ہے مگر وہ لحاظ میں کچھ نہیں کہتے۔ لیکن اللہ حق بات کہنے میں نہیں شرماتا اور اگر نبی کی بیویوں سے تمہیں کسی چیز کی طلب ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔ یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے بہتر طریقہ ہے۔ تمہارے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف دو یا ان کے بعد ان کی بیواؤں سے شادی رچاؤ۔ اللہ کی نظر میں یہ ایک بہت بڑی بات ہے۔'' (احزاب ۵۳)

ان آیات میں بنیادی طور پر تین باتیں بتائی گئی ہیں۔ اولاً، رسول کے گھر میں اگر کبھی کھانے پر بلایا جائے تو اہلِ ایمان کس طرح پیش آئیں۔ ثانیاً، اگر ازواج مطہرات سے سوال کرنے کی حاجت پیش آجائے تو اس کا طریقہ کیا ہو؟ اور یہ کہ آپ کی بیویوں کے بارے میں کبھی یہ خیال بھی نہ لائیں کہ وہ ان سے شادی کر سکتے ہیں، اس لیے کہ ایسا کرنا اللہ کے نزدیک گناہ عظیم ہے۔ ازواج مطہرات کے لیے من وراء حجاب گفتگو کرنے کی سخت شرط اس لیے ہے کہ وہ کوئی عام عورتیں نہیں ہیں:

> ''اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو۔ اگر تم اللہ سے ڈرتی ہو تو دوسروں سے بات کرنے میں لگاوٹ کا انداز اختیار نہ کرو کہ جس کے دل میں نفاق کا روگ ہو وہ کوئی غلط توقع کر بیٹھے۔ اس لیے سیدھی کھری بات کہو اور اپنے گھروں میں جمی رہو، عہد

جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ اے اہل بیت! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے تمام آلائشیں دور کردے اور تمہیں پاک وصاف اور خالص کردے اور ذکر کرو اللہ کی ان آیات اور حکمت کی ان باتوں کا جو تمہارے گھروں میں سنائی جاتی ہیں۔ بیشک اللہ لطیف بھی ہے اور خبیر بھی۔ (احزاب ۳۲-۳۴)

انہیں آیات سے کچھ پہلے ازواج مطہرات کو مخاطب کرتے ہوئے قرآن متنبہ کرتا ہے کہ ''اگر انہیں اس دنیا کی زندگی زیادہ عزیز ہے اور دنیا کی زینت ان کا دامنِ دل کھینچتی ہے۔ تو اے نبی! ان سے کہو کہ ہم تمہیں بہت کچھ دے دلا کر احسن طریقے سے رخصت کردیں۔ البتہ اگر انہیں اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کی چاہت ہے تو یقیناً اللہ نے ان میں سے نیک عمل کرنے والوں کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ پھر اس بات کی صراحت بھی کردی گئی ہے کہ اے نبی کی عورتو! اگر تم میں سے کوئی فواحش کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کے لیے سزا دوگنی کردی جائے گی اور اگر کوئی عمل خیر کی راہ اپناتا ہے تو اس کے لیے اس کا اجر بھی دوگنا ہے اور اس کے لیے رزق کریم الگ سے ہے۔''

(احزاب ۲۸-۳۱)

ظاہر ہے جن لوگوں کے لیے اللہ نے خصوصی اجر کا وعدہ کر رکھا ہو، جن کے نیک اعمال پر دوگنی اجر کی بشارت سنائی گئی ہو ان کے لیے زندگی کا معیار بھی سخت ہوگا۔ خصوصی فضل کے مستحق لوگوں سے خصوصی عمل کی توقع عین فطری ہے۔ پھر یہ احساس بھی دلایا جارہا ہے کہ تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو اور نہ تمہارا گھر عام گھروں کے مانند ہے۔ یہ وقت کے رسول کا گھر ہے جہاں علم وحکمت کی باتیں بتائی جارہی ہیں۔ یہ ایک ایسا اعزاز ہے جو دنیا میں دوسرے گھروں کو حاصل نہیں۔ اس غیر معمولی اعزاز کا تقاضا یہ ہے کہ ازواج مطہرات گھروں میں جم کر بیٹھیں اور علم وحکمت کی آیات کا ذکر کریں۔ پیشوائی کے منصب پر فائز اس عظیم فیملی سے اللہ چاہتا ہے کہ ہر طرح کی آلائشیں دور کردے۔ یہ ہے وہ سخت معیار جو قرآن ازواج مطہرات کے لیے قائم کرتا ہے۔ اب اگر کوئی ان آیات سے دلیل لاتا ہے کہ یہ سب مطالبے ہوبہو عام مسلم خواتین سے بھی ہیں تو اسے چاہیے کہ وہ

اس سخت معیار کے نتیجے میں عطا کئے جانے والے دوہرے اجر کی بھی ضمانت دے۔

قرآن کا ایک ابتدائی طالب علم بھی اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ سورۂ احزاب میں ''نساء النبی'' اور ''نساء المومنین'' کو الگ الگ صراحت کے ساتھ مخاطب کیوں کیا گیا ہے؟ سبب بہت واضح ہے۔ ازواج مطہرات سے ایک مخصوص طرز زندگی کا مطالبہ ہے اور ان کے لیے ان آیات میں خصوصی احکام وارد ہوئے ہیں۔ یہ بتایا گیا ہے کہ ان کی ذرا سی لغزش بھی اہلِ بیت رسولؐ کے تقدس کی پامالی کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لیے وہ اگر آخرت کی طلبگار ہیں تو خود کو ایک سخت ڈسپلن کا پابند کریں۔ اس کے نتیجے میں انہیں صرف دوہرے اجر کی بشارت نہیں بلکہ امہات المومنین کا منصب بھی عطا کیا گیا ہے جس کے نتیجے میں رسول کی وفات کے بعد بھی کسی کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ ان سے شادی کی بابت سوچ سکے۔ اب اگر خصوصیت کے ساتھ ''نساء النبی'' کو خطاب کرنے والی ان آیات کو عام مومن عورتوں کے لیے قیاس کرلیا جائے تو اس سے ایک مضحکہ خیز صورت حال پیدا ہوجائے گی۔ پھر اس سوال کا جواب بھی نہیں دیا جاسکے گا کہ آخر اسی سورہ کی بعض آیتوں میں ''نساء المومنین'' کو الگ سے کیوں خطاب کیا گیا ہے۔

اب آیئے ان آیات کی طرف جو عام مومن عورتوں سے خطاب کرتی ہیں اور جہاں تخاطب کا عمومی انداز ہے:

> ''اے نبی اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنے اوپر اپنی چادر ڈال لیا کریں۔ یہ بہتر ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور انہیں تکلیف نہ پہنچے اور اللہ گناہوں کو معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔'' (الاحزاب ۵۹)

اسی مضمون کی مزید تشریح سورۂ نور میں کچھ اس انداز سے ہوئی ہے:

> ''مومن مردوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ بیشک اللہ واقف ہے ان چیزوں سے جو کچھ وہ کرتے ہیں اور اہل ایمان عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں الا یہ کہ جو خود ظاہر ہو اور یہ کہ اپنے سینوں کو اپنی اوڑھنی سے ڈھک لیا کریں اور اپنی زینت کو کسی کے سامنے ظاہر نہ

کریں سوائے شوہر، باپ، خسر، سوتیلے باپ، بھائی، بھتیجے، بھانجے (ہم پلہ) عورتیں، غلام یا وہ ماتحت خدمت گار جو عورتوں سے کچھ تعرض نہیں کرتے یا وہ بچے جو ابھی عورتوں کے شعور سے خالی ہوں اور یہ کہ وہ اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ مارتی چلیں کہ کسی کی توجہ ملتفت ہو، ان کی پوشیدہ زینت کی طرف۔ (النور ۳۰-۳۱)

پردے کے سلسلے میں پہلی دو آیات ہیں جن میں مومن عورتوں کے لیے حجاب کے حدود متعین کئے گئے ہیں۔ مجموعی طور پر ان آیات سے جو احکام برآمد ہوتے ہیں وہ اس طرح ہیں:

۱- مسلم خواتین کے لیے لازم ہے کہ وہ گھر سے باہر نکلتے وقت اپنے اوپر جلباب ڈال لیا کریں۔

۲- مومن مرد اور مومن عورت دونوں سے مطالبہ ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں۔

۳- مومن عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی زینت کی نمائش کریں الا یہ کہ جو خود ظاہر ہو رہی ہوں اور جن کا چھپایا جانا ممکن نہ ہو۔

۴- مومن عورتیں اپنے سینوں کو ڈھکنے کا خاص التزام کریں۔

۵- مسلم خواتین کے لیے زینت کو چھپانے کا التزام ضروری ہے مگر بعض قریبی رشتے داروں کے لیے خصوصی رعایت رکھی گئی ہے۔

۶- مسلم خواتین کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ زمین پر اپنے پاؤں اس طرح مارتی چلیں کہ ان کی زینت کی طرف لوگوں کی توجہ ملتفت ہو۔

ان بنیادی اصولوں کی پابندی ہر مسلم خواتین کے لیے لازم ہے۔ اس میں نہ تو کوئی کمی ہو سکتی ہے اور نہ زیادتی۔ اب ان احکامات کو بجالاتے ہوئے اسے اس بات کی آزادی ہے کہ وہ مسلم معاشرے کی تعمیل میں اپنی توفیق کے مطابق حصہ لے۔

احادیث میں جلباب کا جہاں بھی تذکرہ آیا ہے اس سے ایک ایسی چادر مراد لی گئی ہے جو عام طور پر عورتیں گھر سے باہر نکلتے وقت استعمال کیا کرتی تھیں۔ شیخین نے ام عطیہ کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ نے ہم عورتوں کو عیدین کی نماز میں شرکت کا حکم دیا تو اس وقت ہم نے پوچھا یا رسول اللہ ہم میں سے ایک کے پاس جلباب نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کیا وہ اپنی

بہن کا جلباب نہیں لے سکتی؟ خمار اس چھوٹی چادر کو کہتے ہیں جو عام طور پر سر اور سینے کے ڈھکنے کے لیے اندرون خانہ استعمال ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے: "**لا یقبل الله صلاة الحائض الا بخمار**" جلباب اور خمار سے سر اور سینہ تو ڈھکا جاتا ہے چہرہ نہیں اور نہ ہی ان آیات میں چہرہ ڈھکنے کا کوئی حکم دیا گیا ہے۔ جو لوگ اس آیت سے چہرہ ڈھکنے کا حکم برآمد کرتے ہیں وہ اپنی سہولت کے لیے "**یدنین علیهن من جلابیبهن**" کا ترجمہ کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ "وہ اپنے اوپر چادر کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں" جو شخص عربی زبان کا معمولی سا ذوق بھی رکھتا ہے وہ بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ یہ خواہ مخواہ کی کھینچ تان ہے، یہ ترجمہ زبان کی صحت پر پورا نہیں اترتا۔ عربی زبان میں ادنیٰ کے معنی قریب کرنے کے ہیں۔ چنانچہ راغب اصفہانی نے مفردات میں لکھا ہے "**دانیت بین الامرین، ادنیت احدهما من الآخر**" اسی طرح ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بتایا کہ دراصل شارع کا مقصد ہے "**تدنی الجلباب الی وجهها، ولا تقرب به**" ہے کہ وہ جلباب اپنے چہرے کے قریب کرلے لیکن اس کے اوپر نہ ڈالے یعنی چہرہ ڈھکے نہیں۔

جہاں تک چہرے کے پردے کا سوال ہے تو یہ حکم آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کے لیے خاص ہے۔ شیخان نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ "جب خیبر کی جنگ میں صفیہ بنت حیؓ آئیں تو صحابہ کرام نے آپس میں کہا، پتہ نہیں آپ نے ان سے شادی کرلی ہے یا انہیں خادمہ کی حیثیت سے رکھنا چاہتے ہیں؟ تو ان لوگوں نے کہا اگر انہیں پردے میں ڈال دیں تو سمجھو آپ نے شادی کرلی ہے اور اگر پردہ نہ کرائیں تو سمجھو کہ یہ خادمہ ہیں۔" چہرے کے بارے میں جمہور علماء کی رائے ہے کہ اسے ستر عورت میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی اسی خیال کے حامی ہیں۔ صحیح احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے حالت احرام میں چہرہ ڈھکنے اور دستانے پہننے سے منع فرمایا ہے۔

"**ذالک ادنیٰ ان یعرفن فلا یوذین**" کی جس تفسیر پر چہرے کے پردے کی عمارت کھڑی کی گئی، ذرا اس کا بھی حال ملاحظہ کیجئے۔ طبری، جصاص، رازی وغیرہ نے اس آیت کی تشریح میں جو واقعہ نقل کیا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ جاہلیت میں منافقین مومن عورتوں کو پریشان کیا کرتے تھے۔ اس لیے عام لونڈیوں کو آزاد عورتوں سے ممتاز کرنے کے لیے اللہ نے جلباب کے استعمال کا حکم دیا۔

رازی نے اس خیال کو مزید مدلل کرتے ہوئے کہا کہ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ اولاً، اس لباس سے یہ پتہ چل جائے گا کہ وہ اشراف کی عورتیں ہیں اور ان سے تعرض نہ کیا جائے گا۔ ثانیاً، عام لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ بدکار عورتیں نہیں ہیں کیوں کہ جو عورت چہرہ چھپائے گی، جو کہ ستر میں شامل نہیں ہے، جس کا چھپانا لازم ہو، تو کوئی شخص اس سے یہ توقع نہیں کرے گا کہ ایسی کوئی عورت بدکاری پر آمادہ ہو سکتی ہے۔ یہ واقعہ ابن ابی سبرہ کے حوالے سے ابن کعب القرظی نے نقل کیا ہے۔ اس واقعے میں بعض ایسی تاریخی غلطیاں موجود ہیں جو اس کے ضعف پر دلالت کرتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ یہ روایت ابن کعب القرظی سے آگے نہیں جاتی اور القرظی خود تابعی ہیں۔ گویا یہ حدیث مرسل ہے۔ پھر یہ ہے کہ ابن ابی سبرہ حدیث وضع کرنے میں شہرت رکھتے ہیں۔ اس آیت کی تشریح میں چہرہ چھپا کر شریف زادیاں ثابت کرنے والے جتنے واقعات بھی نقل کئے جاتے ہیں وہ سب کے سب مرسل ہیں۔ ان کا اصل صورت حال سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ واقعہ اسلام کی اس ثقافت سے بھی ٹکراتا ہے جس میں ایمانی سطح پر غلام اور آقا، آزاد عورتیں اور باندیاں ایک ہی سطح پر رکھی گئی ہیں۔ ورنہ یہ کون سا اسلامی معاشرہ ہوا جہاں شریف زادیوں کو تو چہرہ چھپا کر بدکار مردوں کی زد سے بچانے کا انتظام کر لیا گیا اور لونڈیوں کو بدکاروں کے مشق ستم بننے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ اس قبیل کے مفسرین جو اپنے دلائل کے محل اس قسم کی ضعیف روایتوں پر تعمیر کرتے ہیں وہ غیر آزاد مسلم عورت کے بارے میں عجیب وغریب تصورات رکھتے ہیں۔ یہ بوالعجبی آپ بھی ملاحظہ کیجئے۔ ابوبکر جصاص احکام القرآن میں لکھتے ہیں: ''کسی غیر محرم کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ لونڈی کے بال دیکھے، بازو دیکھے، ٹانگیں دیکھے، سینہ دیکھے اور پستان دیکھے۔'' کوئی ان سے یہ پوچھے کہ اس کے بعد بچا ہی کیا؟

اسلام آزاد اور غیر آزاد مومن عورتوں میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ اس کی نظر میں تو غلام، آقا، مرد اور عورت سب برابر ہیں۔ عظمت کا معیار تقویٰ ہے۔ زنا آزاد عورتوں سے کیا جائے یا غلام عورتوں سے یہ بہرحال زنا ہے۔ ایک پاکیزہ معاشرہ اس سلسلے میں نرم رویہ نہیں اختیار کر سکتا۔ پھر اگر کسی کے نزدیک جلباب کا استعمال یا چہرے کا پردہ اس لیے ضروری ہے کہ شریف زادیوں کی علامتیں الگ الگ ہوتی ہیں۔ قرآن کی آیات کو اصل متن سے دور لے جا کر عجیب وغریب تاویلات میں پھنسانا

مناسب نہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ان آیات سے وہی مطلب نکالیں جو سیدھے طور سے متن سے برآمد ہوتا ہو اور جس کی تصدیق آپ کے عہد میں صحابیات کے عمل سے ہوتی ہو۔ ان آیات میں احکام حجاب کا خلاصہ یہ ہے کہ مومن عورتوں پر لازم ہے کہ وہ گھر سے باہر نکلتے وقت اپنے آپ کو جلباب سے ڈھک لیں، البتہ انہیں چہرہ اور دونوں ہاتھ کھلے رکھنے کی اجازت ہے تا کہ وہ سہولت سے اپنے سارے کام کاج اسی طرح انجام دے سکیں جیسے عہد نبوی میں انجام دیتی تھیں۔

رہے وہ لوگ جو چہرے کے پردے پر ضرورت سے زیادہ زور دیتے ہیں اور جو کسی بھی صورت میں چہرے اور ہتھیلیوں کے کھولنے کی اجازت نہیں دیتے تو وہ دراصل احکام سے ناواقف ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ حضرات پردے کے سلسلے میں قرآنی حدود پر اپنے ذاتی رجحانات کو فوقیت دیتے ہیں۔ اس قبیل کے علماء کی تمام دلیلوں کو پڑھ جائیے تو آپ دیکھیں گے کہ یہ اپنے نقطۂ نظر کے ثبوت میں کتاب وسنت سے کوئی دلیل لانے کے بجائے اصول احتیاط کا سہارا لیتے ہیں اور وہ ایسا کرتے ہوئے یہ بات بالکل بھول جاتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کو احتیاط اور مصالح کا کہیں زیادہ علم ہے۔ پھر اگر اس نے مسلم خواتین کو چہرے اور ہتھیلی کھولنے کی اجازت دے رکھی ہے تو بھلا آپ کون ہوتے ہیں جو رفع فتنے کے بہانے حدود اللہ پر اضافہ فرما دیں۔

اس بارے میں تو تقریباً تمام مسالک کا اتفاق ہے کہ چہرہ ستر میں داخل نہیں ہے۔ حنفی مسلک میں عورت کے لیے اپنا چہرہ اور ہاتھ کھولنا جائز ہے۔ مالکیوں میں اس بارے میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ چہرے اور ہاتھوں کو چھپانا واجب قرار دیتا ہے تو دوسرا گروہ اس کے کھولنے کو جائز سمجھتا ہے۔ شافعیوں کے اکثر علماء چہرہ کا چھپانا واجب نہیں سمجھتے البتہ بہتر خیال کرتے ہیں۔ حنبلیوں کے نزدیک بناؤ سنگار اور سادہ چہرے میں فرق کیا جائے گا اور یہی فرق غیر معمولی طور پر حسین وجمیل عورت اور عام شکل وصورت کی عورت میں کیا جائے گا۔ فقہاء چہرے کے پردے کے قائل ہوں یا نہیں البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ عورت کا چہرہ ستر میں داخل نہیں۔

اب جو لوگ اس وضاحت کے باوجود چہرے کو چھپانے پر زور دیتے ہیں تو ان کی دلیل یہ ہے کہ ان کے نزدیک دراصل اکتشاف وجة سے ہی فتنے کے دروازے کھلتے ہیں۔ بعض لوگ چہرے کو جنسی کشش کا مرکز ومحور گردانتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر سارے جسم کو چھپا کر چہرے

کو کھلا چھوڑ دیا گیا تو یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ کسی قلعے کے چھوٹے چھوٹے دروازے تو دشمن کے ڈر سے بند کردیے گئے ہوں۔ البتہ صدر دروازہ کھلا چھوڑ دیا گیا ہو۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے چہرے کے پردے کی حمایت میں جو دلائل پیش کئے ہیں ان میں سب سے بڑی دلیل یہی ہے۔ اب انہیں کون بتائے کہ جس دروازہ کو اللہ اور اس کا رسول بند کرنا نہیں چاہتا اسے بند کرنے کا ہم میں سے کسی کو حق حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسلام تو نام ہی اس رویے کا ہے کہ ''اللہ اور اس کا رسول جو کچھ تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ'' ہمیں اس بات کا قطعی اختیار نہیں کہ رفع فتنہ کی خاطر کسی احکام پر اپنی طرف سے کوئی اضافہ کریں۔ اگر خواتین کا چہرہ بیمار مردوں کے جذبات پر ارتعاش پیدا کرتا ہے اور اس سے اگر مریضانہ ذہنیت رکھنے والے لوگوں کو اپنا ایمان سنبھالنے میں دشواری محسوس ہوتی ہو تو ضرورت اس بات کی ہے کہ اس قبیل کے مردوں کی اخلاقی اور روحانی تربیت کی جائے نہ کہ ان کی کمزوریوں کو جواز بنا کر مسلم خواتین پر وہ پابندیاں عائد کردی جائیں جو شرع نے ان پر عائد نہیں کی ہے اور جس کا صدر اول کی اسلامی سوسائٹی میں کوئی سراغ نہیں ملتا۔

اسلام کسی ایسی معاشرت کا قائل نہیں جس میں عورتوں کی انفرادی شناخت ختم کردی گئی ہو۔ faceless (بے چہرہ) مسلم خواتین کا کوئی تصور ہماری معاشرت سے میل نہیں کھاتا۔ قرنِ اول کی مسلم سوسائٹی میں مسلم خواتین زندگی کے مختلف شعبوں میں ممتاز مناصب پر فائز نظر آتی ہیں۔ وہ اپنے چہرے بشرے سے پہچانی جاتی ہیں۔ چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں اور احادیث میں جن ممتاز خواتین کا تذکرہ ملتا ہے، ان کی شناخت بھی چہرے کی ساخت اور جسم کی رنگت سے ہوتی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ کیجئے۔ حضرت عمر کو جس عورت نے مہر کے مسئلہ پر عین خطبے کے دوران ٹوکا تھا اس کے بارے میں راویوں نے لکھا ہے کہ وہ ایک چپٹی ناک والی عورت تھی۔ قیس بن ابی حاز سے روایت ہے کہ انہوں نے اسماء بنت عمیس کو ابوبکر کے ہاں دیکھا جو ایک گوری عورت تھی اور جن کے دونوں ہاتھ موشومہ تھے۔ (طبری) ابی السلیل نے حضرت ابوذر کی بیٹی کا تذکرہ کرتے ہوئے روایت کی ہے کہ جب ان کی بیٹی اپنے باپ سے ملنے آئی تو چند لوگ ان کے پاس بیٹھے تھے اور السلیل کہتے ہیں کہ ان کی اپنی بیٹی نے اون کا لباس پہنا ہوا تھا اور اس کے گال پچکے ہوئے تھے۔ (ابن سعد) حضرت

عمران بن حصین کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ کے ساتھ بیٹھا تھا کہ فاطمہ آئیں، ہم نے دیکھا کہ ان کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فاطمہ کے لیے دعا کی۔ دعا کے بعد جب میں نے دیکھا تو ان کے چہرے کی بشاشت واپس آگئی تھی۔ (ابن جریر فی التہذیب) قبیصہ بن جابر کہتے ہیں کہ ہم تین لوگ جس میں بنی اسد کی ایک بوڑھی خاتون بھی تھیں، ابن مسعود کے ہاں گئے۔ اس خاتون کی پیشانی پر نشانات بنے تھے جس پر انہوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ ابواسماء الرجبی سے روایت ہے کہ وہ ابوذر غفاری کے ہاں گئے اور دیکھا کہ ان کی ایک بیوی سیاہ فام ہے۔ (احمد و ابن سعد) عروہ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں ایک دن فاطمہ بنت علی بن ابی طالب کے ہاں گیا۔ میں نے ان کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی دیکھی۔ (ابن سعد) یہ اور اس نوعیت کے واقعات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے قریبی عہد میں مسلم خواتین میں چہرے اور ہتھیلیوں کے چھپانے کا رواج نہ تھا۔

قرنِ اول کی مسلم سوسائٹی کی طرح اگر آج بھی مسلم خواتین کو وہ تمام آزادیاں دوبارہ لوٹا دی جائیں جو انہیں جلباب کے اندر حاصل تھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ موجودہ بھاگتی دوڑتی زندگی میں بھی وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی پاسداری کرتے ہوئے زندگی کے مختلف شعبوں میں امتیاز نہ پیدا کرسکیں اور اگر فی زمانہ اسلامی احکام حجاب پر عمل کرنا قابل عمل دکھائی دے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلم خواتین اسلام سے دور دوسری تہذیب کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوں۔ عہدِ رسول میں مسلم خواتین کا پردہ ان کی اس آزادی کی علامت تھی جو اسلام نے انہیں جاہلی معاشرے سے نجات کی شکل میں عطا کیا تھا جب کہ آج مسلم خواتین کے پردے سے مراد یہ ہے کہ اسے عضو معطل بنا کر، زندگی کی تمام سرگرمیوں پر روک لگا کر، گھروں کی چہار دیواریوں میں بند کردیا گیا ہو۔ قرن اول کا جلباب عورت کے Empowerment کی علامت تھا جب کہ آج کا مروجہ پردہ اس کی محرومی کا علامیہ ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ قرن اول کے جلباب کو دوبارہ اپنی اصل حالت میں واپس لے آیا جائے۔ جلباب ہر عہد کی ضرورت کا ساتھ دے سکتا ہے جب کہ ہمارے وضع کردہ ملفوف برقع میں یہ قوت نہیں کہ وہ جاگیر دارانہ معاشرے کے علاوہ کسی اور دور کی ضرورت پورا کرسکے۔

اسلامی معاشرہ کا ہدف

اسلام کا مطالبہ ہے کہ مومن مرد اور عورت ایک صالح معاشرے کے قیام میں بھرپور شرکت کرے۔ وہ مرد کی طرح عورت کو بھی اس مقدس مشن میں شرکت کی مکمل آزادی دیتا ہے۔ البتہ وہ اس حقیقت کو بھی نظرانداز نہیں کرتا کہ ایک مثالی پرامن اور صالح معاشرے کے قیام کے لیے جو لوگ سرگرم عمل ہیں وہ بذاتِ خود کمزور لوگ ہیں۔ ان سے بشری تقاضوں کے تحت لغزشیں سرزد ہوسکتی ہیں۔ ایک صالح معاشرے کے قیام کے لیے یہ ضروری سمجھا گیا کہ انسانوں کے آپسی روابط اور مرد و زن کے باہمی تعامل کے لیے بعض بنیادی اصول متعین کردیے جائیں۔ البتہ اصولوں کے تعین میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ کسی فریق کی حق تلفی نہ ہو، مرد اور عورت دونوں پر یہ ذمہ داری ڈال دی گئی ہے کہ وہ کوئی ایسی صورتِ حال نہ پیدا ہونے دیں جہاں شیطان کو دخل اندازی کا موقع ملے۔ غیرمحرم عورت اور مرد کے لیے یہ ضابطہ مقرر کردیا گیا کہ وہ اپنی ملاقات کے دوران کسی تیسرے شخص کو ضرور شامل کرے۔ (شیخین) اس بات کی سختی سے ممانعت کردی گئی ہے کہ کوئی مرد کسی مرد کو اور عورت کسی عورت کو برہنہ نہ دیکھے۔ (مسلم) ایسے لباس سے بھی منع کردیا گیا جس کا مقصد جسم کو زیادہ پرکشش بنا کر پیش کرنا ہو۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے، اللہ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو لباس پہن کر بھی ننگی رہتی ہیں۔ مومن مردوں اور عورتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ نگاہوں کی خیانت سے بچیں اور شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ (سورۂ نور) مومن عورتوں کو تاکید کی گئی کہ باہر نکلتے وقت اپنے اوپر جلباب ڈال لیا کریں۔ گویا ہر طرح اس بات کی پیش بندی کردی گئی کہ مرد اور عورت کے سماجی تعامل میں غیر صحت مندانہ جنسی داعیات ان کے اوپر حاوی نہ ہو پائیں۔

اسلامی معاشرے کا ہدف نہ تو کسی خاص قسم کے تصور حجاب کو رواج دینا ہے اور نہ ہی اس کا مقصد مردوں اور عورتوں کو الگ الگ دنیا میں مقید کردینا ہے۔ غیرمحرموں کے مابین روابط میں اسلام تو صرف اس احتیاط کی ضمانت چاہتا ہے کہ جو لوگ زمین پر ایک پاکیزہ معاشرے کے قیام کے داعی ہوں وہ کسی بشریات کا شکار ہو کر ضایع نہ ہو جائیں۔ اسلامی احکامات کا مقصد عورتوں کو گھروں میں

مقید کرنا نہیں بلکہ جنسی داعیات سے پاک ایک معاشرہ تعمیر کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسجد جاتی ہوئی کسی عورت سے بھی فتنے کے فروغ کا امکان ہو تو اسے روک دیا جاتا ہے۔ آپؐ نے عورتوں کو معطر ہو کر مسجدوں میں جانے سے اسی لیے منع فرمایا ہے۔ رہی سماجی زندگی میں عورتوں کی چلت پھرت یا غیرمحرم مومن مردوں کے مومن عورتوں سے سماجی رابطے میں آنے کا مسئلہ تو اسلام کو اس میں کوئی اعتراض نہیں بلکہ وہ تو ایک ہی مشن کے لیے کام کرنے والے مومن مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کا رفیق گردانتا ہے: ''والمومنین والمومنات بعضھم اولیاء بعض.''

مدائن کے کنوئیں پر حضرت موسیٰ کی دو دوشیزاؤں سے ملاقات اور ان کی گفتگو سے بھی اس امر کا اشارہ ملتا ہے کہ پبلک مقامات پر غیرمحرم عورتوں سے گفتگو اور ان کی مدد اللہ کی نظر میں ناپسندیدہ نہیں ہے بلکہ صحت مند رشتوں کو جنم دینے کا باعث ہوسکتا ہے۔ مردوں اور عورتوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ عام پبلک مقامات پر سلام کا تبادلہ کریں، ایک دوسرے کی خیریت دریافت کریں، سلام کے تبادلے میں مرد و عورت محرم اور غیرمحرم شناسا یا اجنبی کی قید نہیں رکھی گئی ہے۔ ترمذی نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے مسجد میں بیٹھی عورتوں کو سلام کیا اور اشارۃً اپنا ہاتھ فضا میں لہرایا۔

صالح معاشرے کے قیام کے لیے اسلام افراد کی ذہنی اور روحانی تربیت پر زور دیتا ہے اور انہیں بعض بنیادی رہنما اصولوں پر سختی سے گامزن دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ ایک ایسی معاشرت کا طالب ہے جس میں عورتوں کی چلت پھرت کے باوجود تقویٰ کے مظاہر مدہم نہ پڑتے ہوں۔ وہ کسی ایسے مصنوعی حل کا قائل نہیں جس میں فتنے کے خوف سے عورتوں کو ملفوف اور مقید کردیا جائے۔ وہ اس بات کو خوب سمجھتا ہے کہ فتنہ یا جنسی تحریک ہر فرد میں مختلف سطح پر ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اس لیے کسی خاص مظہر کو فتنے کا سبب قرار دے کر مسئلے کو حل نہیں کیا جاسکتا۔ عورت کو سماجی زندگی سے بے دخل کرنے کے بجائے وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کی تربیت کی جائے۔ عہد رسولؐ کے معاشرے میں اسی اسپرٹ کا عمل دخل دکھائی دیتا ہے۔

صالح معاشرے کے قیام میں خواتین کی ذمہ داریاں

ایک ایسے عہد میں جب اسلامی نظام کا شیرازہ منتشر ہو، اسلام کے سماجی اور سیاسی ادارے

ٹوٹ پھوٹ چکے ہوں اور پوری امت ایک غیر اسلامی نظام کے تحت زندگی جینے پر مجبور ہو، ضعف کے ایک ایسے مرحلے میں اگر کوئی شخص مسلم خواتین کو مفروضہ فتنے کے ڈر سے گھروں میں مقفل کر دینا چاہتا ہو تو یقیناً اس کی عقل پر ماتم کرنا چاہیے۔ بھلا اس سے بڑا فتنہ اور کیا ہوگا کہ آپ کی پوری زندگی ایک غیر اسلامی نظام کی آلائشات میں لت پت ہے۔ آپ شب و روز اٹھتے بیٹھتے اللہ کے احکامات کی نافرمانی کرنے پر مجبور ہیں۔ آپ کی زندگی باطل کے احکام و فرامین کی تابع ہے۔ مدت سے ایک ایسی غلیظ صورت حال میں رہتے ہوئے اب یہ سب کچھ آپ کو معمول کی زندگی معلوم ہوتی ہے۔ آپ اس بات کو بالکل فراموش کر بیٹھے ہیں کہ آپ کے لیے زندگی بسر کرنے کا صرف وہی طریقہ فلاح کی ضمانت دیتا ہے جو اللہ کے رسولؐ کے توسط سے آپ تک پہنچا ہے۔ بھلا اس سے بڑا فتنہ اور کیا ہوگا کہ آپ بنیادی انبیائی ایجنڈے سے غفلت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اللہ کی راہ میں قربانیاں دینے اور اس کے دین کے غلبہ کے لیے شہادت کا خیال بھی اب آپ کو کم ہی آتا ہے۔ گویا اسلام کا واقعی تصور آپ کے دل و دماغ سے رخصت ہو چکا ہے۔ جب آپ کی پوری زندگی اتنے بڑے فتنے کے درمیان بسر ہو رہی ہے اور آپ کے ایمان کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا تو اس کے مقابلے میں ایک بہت چھوٹے سے فتنے سے آپ کے اوسان کیوں خطا ہوئے جاتے ہیں؟ ضرورت اس بات کی ہے کہ مچھر چھاننے اور اونٹ نگلنے کے بجائے اس بڑے فتنے کے مقابلے کے لیے تیار ہو جائیں ورنہ ہمارا بچا کھچا ایمانی سرمایہ بھی اس نظام غلیظ کے زیر سایہ تباہ ہو جائے گا۔

آج مسلم معاشرہ اور اس کی خواتین اگر اپنے اندرون میں کوئی بے چینی محسوس کرتی ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ خدانخواستہ انہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کے راستے سے کوئی اختلاف ہو گیا ہے بلکہ اس بے چینی کی وجہ ہماری یہ آلودہ ثقافت ہے جس نے ان سے ایک سرگرم مومنہ کا رول سلب کر لیا ہے۔ انہیں اس بات پر قلق ہے کہ فتنے کے بہانے سے مسلم معاشرے نے اللہ کی راہ میں ان کی سرگرمیوں پر روک لگا دی ہے۔ انہیں اس بات کا بھی شدید دکھ ہے کہ عرصے سے ان کے دینی بھائیوں نے ایک غیر اسلامی نظام کو قبول کر رکھا ہے۔ وہ نہ تو خود ایک صالح نظام کے قیام میں کوئی موثر رول ادا کر رہے ہیں اور نہ ہی اپنی بہنوں کو اس سعادت میں شریک کرنے کے قائل ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مروجہ مسلم رویے سے تنگ آ کر بعض بہنوں نے اب مغرب کی تحریکوں کی طرف امید بھری

نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا ہے جو آزادی کے نام پر ان سے ان کا سب کچھ چھین لینے کے درپے ہیں۔ ایک ایسی صورتِ حال میں جب خوفناک تبدیلیاں ہمارے دروں پر دستک دے رہی ہیں باشعور مسلم بہنوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ کتاب و سنت کی روشنی میں اپنے لیے ایک منشور حیات مرتب کریں۔ گویا اب وہ لمحہ آپہنچا ہے کہ مسلم خواتین کو وہ سرگرم داعیانہ رول لوٹا دیا جائے جو عہد رسولؐ میں اسے حاصل تھا۔

روایات پر اسلام کا دھوکہ نہ ہو

خواتین کی ایک دینی درس گاہ جامعہ علوم نسواں بنگلور میں
جلسہ تقسیم اسناد ۱۹۹۸ء کے موقع پر قائد ملی ڈاکٹر راشد شاز کا خطاب

امت کی ماؤں، بہنو اور بیٹیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

یہ پہلا اتفاق نہیں جب مجھے خواتین کی کسی دینی درس گاہ میں آنے کا موقع ملا ہے۔ البتہ آپ کے یہاں جس چیز نے مجھے بہت مسرور کیا وہ آپ تمام طالبات کا دین مبین کو غالب کرنے کی آرزو ہے جس کی ایک جھلک ابھی میں نے پینٹنگ کے مقابلے میں دیکھی۔ سچ پوچھئے تو آپ لوگوں نے مجھے پینٹنگ کے مقابلے کا جج بنا کر سخت امتحان میں ڈال دیا ہے۔

گو کہ میں اس میدان کا آدمی نہیں۔ البتہ فکری اعتبار سے مجھے وہ پینٹنگ بہت پسند آئی جس میں ایک چھ سات سالہ طالب علم نے دنیا پر اسلام کے غلبے کی آرزو ظاہر کی ہے، خدا کرے ہم سبھوں کا یہ خواب جلد از جلد شرمندہ تعبیر ہو۔

سہ پہر کے اجلاس میں بچیوں کی جو تقاریر یہاں ہوتی رہی ہیں اس سے بھی اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی تعلیم گاہ ایک روایتی درس گاہ نہیں بلکہ آپ کے اساتذہ اس بات کا گہرا احساس رکھتے ہیں کہ وہ آپ کو مستقبل کے اسلامی انقلاب کے لیے تیار کر رہے ہیں۔ اس چھوٹے سے ادارے سے اتنے بڑے کام کے لیے یقیناً آپ اور آپ کے اساتذہ قابل مبارکباد ہیں۔

اس موقع پر جب آپ طلباء و طالبات اپنی سند لے کر عملی زندگی میں داخل ہونے والے ہیں بہتر ہوگا کہ آپ کو چند باتیں بطور نصیحت گوش گذار کردوں اس لیے کہ آپ نے اب تک جو کچھ پڑھا

لکھا ہے اور بالخصوص طالبات کے سلسلے میں یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپ لوگوں نے اپنی تقاریر میں جس طرح غلبہ اسلام کے لیے اپنا سب کچھ تج دینے کا پروگرام بنایا ہے اور جس طرح آپ میں سے بعض طالبات مسلم خواتین میں اسلامی بیداری لانے کا پروگرام بنا رہی ہیں تو ہوسکتا ہے کہ جب آپ عملی میدان میں داخل ہوں تو یہ سب کچھ آپ کو اتنا آسان دکھائی نہ دے بلکہ عین اس بات کا امکان ہے کہ خود آپ کا مسلم معاشرہ آپ کے اس جذبہ ایمانی کو تحسین کی نگاہ سے نہ دیکھے، اسے اس بات پر غصہ آئے کہ آپ باورچی خانے کی تنگ کوٹھری سے نکل کر غلبہ اسلام کا نعرہ کیوں بلند کرنے لگی ہیں؟ اس بات کا بھی امکان ہے کہ جن لوگوں سے اور اپنے خاندان کے جن افراد سے آپ کو اس مہم میں تعاون کی توقع ہے خود ان کی طرف سے یہ بات کہی جانے لگے کہ بیٹی! تمہاری باتیں تو سب ٹھیک ہیں لیکن معاشرے میں تمہاری چلت پھرت کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا، اس لیے بہتر ہے کہ اس ایجنڈے کو فوری طور پر موخر کردو۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس قسم کی مزاحمت کے لیے ابھی سے تیار رہیں اور آپ کے اندر اس صورت حال سے بدگمان ہوجانے یا مایوس ہوکر بیٹھ جانے کی کیفیت پیدا نہ ہو۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ آپ پر جس چیز کی ترویج واشاعت کی ذمہ داری ہے وہ اسلام اور اس کا انقلابی پیغام ہے۔ رہے مسلم معاشرے کے موجودہ مذہبی تصورات یا سماجی بندشیں اور رسم و رواج، تو ان کا احترام اسی وقت تک کیا جائے جب تک کہ یہ اسلامی پیغام کا احترام کرتے ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جن باتوں کو مسلم معاشرے نے سماجی اور تاریخی محرکات کی وجہ سے تقدس کا درجہ دے دیا ہے آپ اسے عین اسلام سمجھ بیٹھیں کہ خدانخواستہ ایسا ہوگیا تو آپ اسلام کے نام پر ہند اسلامی ثقافت کی مبلغ بن کر رہ جائیں گی۔

اس بات کی وضاحت کے لیے یوں سمجھئے کہ ہم مسلمان اپنی ملی زندگی میں اسلام کو جس طرح برت رہے ہیں غیر مسلم اسی کو عین اسلام جانتے ہیں اور اس طرح ہماری بہت سی غلط حرکتیں اسلام کے بارے میں لوگوں کے سامنے انتہائی غلط تصویر پیش کرتی ہے۔ ہماری ہر غلطی اسلام کی تصویر بگاڑتی ہے۔ بالخصوص عورتوں کے سلسلے میں جو تصورات ہماری سوسائٹی میں رائج ہوگئے ہیں۔ انہیں اکثر لوگ عین اسلام سمجھنے کا دھوکہ کرتے ہیں، اس لیے آپ کو عملی زندگی میں اس بات کی کوشش کرنی ہوگی کہ آپ صرف اسلام کو اپنائیں اور روایات سے اپنا دامن بچائیں۔ خواہ یہ روایات مسلم معاشرے

کی روایات ہی کیوں نہ ہوں اور خواہ اسے کسی وجہ سے تقدس کا درجہ کیوں نہ حاصل ہوگیا ہو؟

ہم جس ملک میں رہ رہے ہیں وہاں صدیوں سے عورت کی شخصیت کی نفی کی گئی ہے۔ ہندو معاشرے میں عورت کی حیثیت مرد کے ایک ضمیمہ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ آزاد عورت کا تصور جس کی اپنی شخصیت اور شناخت ہو، اسلام کے علاوہ شاید ہی کہیں پایا جاتا ہو۔ البتہ ہندوستانی مسلم معاشرے میں حادثہ یہ ہوا ہے کہ رفتہ رفتہ عورت کے سلسلے میں غیر اسلامی تصورات مسلم معاشرے میں بھی رائج ہوگئے۔ سمجھا یہ گیا کہ عورت کی صلاحیتوں کا بہترین اظہار باورچی خانے میں ہوسکتا ہے یا پھر وہ گھر کے چھوٹے موٹے کام کو خوش اسلوبی سے انجام دے سکتی ہے۔ رہی یہ بات کہ مرد کی طرح اس کی بھی دانش ورانہ شخصیت ہوتی ہے، دنیا کے معاملات میں وہ بھی ایک رائے رکھ سکتی ہے۔ اس طرح کی باتیں مسلم معاشرے کے اجتماعی حافظے سے غائب ہوتی گئیں، نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ روایتی مذہبی گھروں میں جہاں مرد کی تعلیم کے لیے سارے وسائل جھونک دیے گئے وہاں عورت کو بنیادی تعلیم کا مکلف بھی نہ سمجھا گیا۔ اگر تعلیم کے نام پر مذہبی حلقوں میں کبھی کوئی بات آئی تو بس اس حد تک کہ عورت گھر پر تھوڑی بہت تعلیم حاصل کرلے، اردو زبان کی شدبد ہوجائے، ناظرہ قرآن پڑھنا آجائے اور بس۔ برصغیر کے مشہور عالم دین مولانا اشرف علی تھانوی نے تو اس بات کی بھی شرط عائد کردی کہ اگر یہ تعلیم ایسی استانیوں کے ذریعے ہو جو مفت پڑھائیں تو یہ مستحسن ہے کہ اس سے، بقول ان کے، علم میں برکت ہوتی ہے۔ رہی یہ بات کہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی اعلیٰ تعلیم کے مواقع فراہم کئے جائیں تو ہمارا روشن خیال مذہبی طبقہ بھی اس بات کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ حتیٰ کہ سرسید جنہیں تعلیمی تحریک کا سب سے بڑا مبلغ سمجھا جاتا ہے اور جنہوں نے مردوں کی جدید تعلیم کے لیے تمام مخالفتوں کے باوجود زبردست تحریک چلائی وہ بھی اس بات کے قائل نہ ہوسکے کہ تعلیم کے حصول کا حق مردوں کی طرح عورتوں کا بھی ہے۔ سرسید نے صاف گوئی سے یہ بات کہی کہ "وہ عورتوں کو تعلیم دلا کر ان کو اسلامی حقوق سے آگاہ کرانا نہیں چاہتے۔" ان کے بقول "جاہل عورت اپنے حقوق سے ناواقف ہوتی ہے اس لیے مطمئن ہوتی ہے، اگر وہ تعلیم یافتہ ہوکر اپنے حقوق سے واقف ہوگئی تو اس کی زندگی عذاب بن جائے گی۔"

جب ہمارے باشعور لوگ صرف اس ڈر سے عورت کی تعلیم کی مخالفت پر اتر آئیں کہ کہیں

اسے ان حقوق کا علم نہ ہوجائے جو اسلام نے اسے عطا کئے ہیں تو آپ اندازہ کریں گے کہ بے شعور لوگ جو ہر عالم نما شخص کے رویے کو عین اسلام سمجھ بیٹھتے ہیں، ان کے یہاں عورت کی اسلامی حیثیت کے سلسلے میں کیا کیا غلط فہمی نہ پائی جاتی ہوگی۔ ایک طرف عورتوں کو تعلیم سے محروم کرنے کی مہم اور دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ ''علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔''

ہندوستان میں مسلم معاشرے نے اس بات کا پورا اہتمام کر ڈالا کہ مسلم خاتون کو اس کی اصل حیثیت کی ہوا نہ لگ جائے۔ اسے اس بات کا علم نہ ہو کہ معاشرے کو صحیح خطوط پر چلائے رکھنے کے لیے اس پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ یہاں تک کہ ایک زمانہ ایسا بھی گزرا، اور یہ بات بہت زیادہ پرانی نہیں ہے، جب مذہبی لوگوں نے اس طرح کے رسالے لکھے جس میں عورت کے لیے لکھنا سیکھنے کی مخالفت کی گئی۔ طرفہ تو یہ ہے کہ اس رویے کو اسلام اور شریعت کے حوالے سے معتبر بنانے کی کوشش بھی کی جاتی رہی۔ اس طرح کے خیالات جس کا اسلام سے دور دور تک کوئی تعلق نہ تھا محض مصالح امت اور فرضی فتنے کے سد باب کے خیال سے ہمارے درمیان معتبر بنا دیے گئے۔ خود ساختہ تاویلات کا ایک ایسا سلسلہ چل نکلا جس کے آگے کتاب و سنت کی واضح ہدایات بھی ساقط الاعتبار ہوگئیں۔ یہ بات بھلا دی گئی کہ عورت کو اللہ اور اس کے رسول نے جو حقوق عطا کئے ہیں اس میں کمی یا زیادتی کرنے کا اختیار کسی اور شخص کو نہیں ہوسکتا۔ بعض چیزیں، ہوسکتا ہے ہمیں سماجی مصالح کے خلاف معلوم ہوتی ہوں، لیکن اسلام تو نام ہی اس بات کا ہے کہ ''رسول تمہیں جو کچھ دے اسے لے لو اور جن باتوں سے روکے اس سے رک جاؤ۔''

جب عورت کو اعلیٰ تعلیم کے لائق نہ سمجھا جائے، اسے گھر کی چہار دیواری کے اندر ایک الگ دنیا کا باسی بنا دیا جائے، باہر کے واقعات و حالات کا اسے کچھ علم نہ ہو اور امور زندگی میں اس کی رائے کی اہمیت صفر ہوجائے تو ایک ایسی مخلوق کا پیدا ہونا فطری تھا جو عقل و فہم سے عاری، امت کے مصالح سے ناواقف، اور خیر امت کے احساس سے عاری ہو۔ ظاہر ہے ان بے شعور گودوں میں پیدا ہونے والی نسلیں زندگی کے اعلیٰ مقاصد سے واقف نہیں ہوسکتی تھیں۔ امت کے زوال میں ان بے شعور ماؤں کا بھی بڑا حصہ رہا ہے۔

ہمارے یہاں بدقسمتی یہ ہوئی کہ جاگیردارانہ زوال پذیر معاشرے میں رائج تفوق کی جھوٹی

علامتوں کو عین اسلام سمجھ لیا گیا اور چونکہ اس معاشرے میں بہترین عورت کا تصور ایک ایسے وجود سے عبارت تھا جسے باہر کی دنیا کی ہوا نہ لگی ہو اور جس کے بارے میں باہر کی دنیا کو کچھ علم نہ ہو۔ اس کی شخصیت پر اتنا دبیز پردہ ڈال دیا گیا کہ اس کے نام سے واقفیت کو بھی عیب جانا گیا۔ کوئی اس کی آواز نہ سن لے، کوئی اس کے خیالات سے واقف نہ ہوجائے۔ باہر کی دنیا کلی طور پر مردوں کے ہاتھوں میں تھی۔ اس Setup میں عورت سے صرف یہ توقع کی گئی کہ مرد جو کچھ کہے وہ اس کی تائید کرتی جائے خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ کہتا ہو۔ مرد جو کچھ کہہ رہا ہے اس کے صحیح ہونے کے لیے صرف یہی کافی سمجھا گیا کہ وہ مرد ہے۔ ہمارے یہاں چوٹی کے مذہبی لوگوں نے عورت کو شوہر کی اطاعت کے نام پر جو تعلیم دی اس میں صحیح اور غلط کی تمیز جاتی رہی، حق اور باطل کے پیمانے ٹوٹ گئے۔ عورت کو اتنی بھی اجازت نہ دی گئی کہ وہ مرد کے احکام کو کتاب و سنت کی روشنی میں پرکھتی اور اگر کوئی بات کتاب و سنت سے ٹکراتی معلوم ہو تو اس کے بارے میں دبے لفظوں میں بھی کوئی احتجاج کرتی۔ اس سے صرف یہ توقع کی گئی کہ وہ شوہر کے احکام بلا چوں و چرا بجالائے۔ اس رویے کا گو کہ حقیقی اسلام سے کوئی تعلق نہیں لیکن مذہب کے نام پر اطاعت شعاری کی جو تعلیم دی گئی اس سے عمومی تاثر یہی پیدا ہوا کہ اسلام کو اسی طرح کی اطاعت شعار مخلوق مطلوب ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی جنہوں نے ہمارے عہد میں اسلامی فکر پر گہرے اثرات ڈالے ہیں اور جن کی مشہور زمانہ کتاب بہشتی زیور کو عورتوں کے درمیان قبولیت عام حاصل ہے اور جسے غالباً روایتی مسلم خواتین کے درمیان قرآن کے بعد سب سے معتبر اسلامی ماخذ سمجھا جاتا ہے وہاں بھی عورت سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ آنکھ بند کر کے مرد کے احکامات بجالائے ہیں۔ بہشتی زیور میں مولانا تھانوی نے لکھا ہے ''عورت کو شوہر کے احکامات بلا چوں و چرا بجالانا چاہیے یہاں تک کہ اگر وہ کہے کہ ایک پہاڑ سے پتھر اٹھا کر دوسرے پہاڑ تک لے جاؤ اور پھر دوسرے سے تیسرے تک تو اسے یہی کرنا چاہیے'' ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ''اگر وہ دن کو رات بتائے تو عورت کو بھی چاہیے کہ دن کو رات کہنے لگے'' اب جس معاشرے میں اس طرح کی غیر مشروط اطاعت کو عین اسلامی حکم سمجھا جانے لگے وہاں صالح عورت کا پیدا ہونا تو درکنار، صحیح اور غلط کی تمیز بھی ختم ہوجاتی ہے۔

عزیز بہنو! یاد رکھئے کہ اسلام میں عورت اور مرد دونوں کی جداگانہ حیثیتیں ہیں۔ دونوں کو اپنا

اپنا حساب دینا ہے۔ روزِ محشر آپ صرف یہ کہہ کر نہیں چھوٹ سکتیں کہ آپ کے شوہر نے، بھائی نے یا باپ نے آپ کو معصیت کا حکم دیا تھا اس لیے آپ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ خیال دل سے نکال دیجئے کہ اگر بدقسمتی سے آپ کے گھر کے مرد معصیت کی زندگی کے خوگر ہو چکے ہیں، اگر اسلام اور اسلامی تحریک سے ان کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے تو آپ کے لیے بھی معصیت بھری زندگی جینے کے لیے جواز فراہم ہو جاتا ہے۔ نہیں، ہرگز نہیں۔ ان کا عمل ان کے ساتھ ہے اور آپ کا عمل آپ کے ساتھ، البتہ ایسی صورت حال میں آپ کی ذمہ داری دوہری ہو جاتی ہے۔ آپ کو خود بھی اسلام پر قائم رہنا ہے اور اپنے گھر کے مردوں کو بھی راہ راست پر لانے کی ہر ممکن سعی کرنی ہے۔ یہی صحیح اسلامی رویہ ہے۔ رہی یہ بات کہ اگر بدقسمتی سے شوہر معصیت کی زندگی میں مبتلا ہے اور اگر خدانخواستہ آپ کے گھر میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا سلسلہ جاری ہے تو آپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اس صورت حال پر صبر کر کے بیٹھ جائیں۔ البتہ روایتی مسلم گھروں میں عورت سے یہی توقع کی جاتی ہے کہ وہ کسی ایسی صورت حال میں احتجاج کرنے کے بجائے شوہر کی مرضی پر راضی ہو جائے گی۔ بدقسمتی سے روایتی دینی کتابوں میں کچھ اسی قسم کی تعلیم و تلقین ملتی ہے۔ بہشتی زیور اور اس قبیل کی کتابوں میں کچھ اسی طرح کا مشورہ ملتا ہے۔ مولانا تھانوی نے لکھا ہے کہ اگر شوہر کسی دوسری عورت سے ملتا ہے تو اسے تنہائی میں سمجھاؤ۔ پھر بھی باز نہ آئے تو صبر کر کے بیٹھ جاؤ۔ اس ضمن میں مولانا نے لکھنؤ کی ایک بی بی کا واقعہ لکھا ہے جس کے میاں بازاری عورت کے رسیا تھے۔ وہ اس عورت سے علی الاعلان تعلق ہی نہیں رکھتے بلکہ بیوی سے اس کے لیے کھانا پکوا کر بھی منگواتے تھے۔ اطاعت شعار بیوی نے شروع میں اس بات کا برا مانا پھر بڑی خوش دلی سے میاں کے شوق میں معاون بن گئی۔ مولانا کہتے ہیں کہ اس بیوی کی خدمت گزاری کا شہر بھر میں چرچا ہے اور خلق خدا میں اس کا نام ہو رہا ہے۔ ہمارے خیال میں نیک مسلم خاتون کی یہ تصویر اسلام کی اصل تصویر سے میل نہیں کھاتی۔ رسول اللہ ﷺ کا واضح فرمان ہے کہ:

''معصیت کے کاموں میں اطاعت نہیں ہو سکتی۔''

اسلام جو پاکیزہ معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے اس میں ہر فرد کو نصح و خیر خواہی کے جذبے کے تحت دوسرے کو خیر کی تلقین کرنے کا حق حاصل ہے بلکہ یہ اس کا فریضہ بن جاتا ہے۔ حتیٰ کہ چھوٹا بھی

بڑے کو مستحسن انداز سے اس کی غلطیوں پر ٹوک سکتا ہے۔ برائی سے اجتناب اور بھلائی کی تلقین میں بچے، بوڑھے، مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہیں رکھی گئی ہے۔ اگر کسی وجہ سے آپ کا شوہر غلط راستے پر چل نکلے تو یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ اسے صحیح راستے پر لانے کے لیے ہر ممکن سعی کریں۔ ایسا نہ ہو کہ روایتی وفاشعاری میں آپ دونوں اپنی آخرت کھوٹی کر لیں۔

دخترانِ ملت! فراغت کی سند لے کر جب آپ عملی زندگی میں قدم رکھیں گی تو آپ کو متواتر ان تصورات سے واسطہ پڑے گا جو عورت کے حوالے سے مسلم معاشرے میں عام ہیں۔ اکثر ایسا محسوس ہوگا کہ جن باتوں کی اسلام نے آپ کو اجازت دے رکھی ہے، مسلم معاشرہ آپ کو ان کاموں کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ۱۹۹۱ء میں خلیج کی جنگ کے دوران ریاض کی سڑکوں پر کوئی چالیس پچاس مسلم خواتین کار چلاتی ہوئی نکل آئیں۔ یہ گویا اس بات کا مطالبہ تھا کہ انہیں احکام حجاب کی پابندی کے ساتھ کار چلانے کی اجازت دی جائے۔ اس واقعہ سے سعودی عرب کے روایتی معاشرے میں ایک بھونچال کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ مشاورتیں منعقد ہوئیں، علماء کے درمیان صلاح و مشورے ہونے لگے کہ اس مسئلہ سے کس طرح نپٹا جائے۔ علماء کی ایک مجلس میں جہاں اس مسئلہ پر گرما گرم بحث جاری تھی میں بھی موجود تھا۔ میں نے کہا کہ عام طور پر ایک سعودی خاتون غیر ملکی ڈرائیور کے ساتھ اپنی ضروریات کے لیے باہر نکلنے پر مجبور ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب شوہر دفاتر میں مصروف ہے تو بیوی کسی اجنبی غیر محرم ڈرائیور کے ساتھ اپنی ضروریات کے لیے نکلتی ہے۔ اب اگر احکام حجاب کی شرائط کے ساتھ ان خواتین کو خود ہی ڈرائیونگ کی اجازت مل جائے تو غیر محرم ڈرائیور سے نجات مل جائے گی اور یہ شکل پہلی شکل کے مقابلے میں شریعت سے زیادہ قریب ہوگی۔ علماء نے کہا، بات تو ٹھیک ہے لیکن اگر ایک بار تم نے عورت کے ہاتھ میں گاڑی کی چابی تھما دی تو بس وہ ہاتھ سے نکل گئی۔ سعودی معاشرے کی قدیم روایات اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ان کی خواتین اپنے ہاتھوں سے گاڑیاں چلائیں جب کہ اسلام احکام حجاب کی شرائط کے ساتھ سماجی زندگی میں عورت کی چلت پھرت کی عام اجازت دیتا ہے۔ آپ کو عملی زندگی میں اکثر ایسا محسوس ہوگا کہ روایات اور اسلامی اقدار ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔ ایسی صورت میں آپ کو چاہیے کہ آپ بلاتکلف روایات کو ترک کر کے اسلام کو اختیار کر لیں خواہ ایسا کرنے میں آپ کو جتنی بھی مزاحمت کا سامنا ہو۔

فراغت کی یہ ڈگریاں جو آج آپ کو دی گئی ہیں اس اعتماد کا اظہار ہیں کہ آپ کے اندر کتاب وسنت کی روشنی میں سچ کو جھوٹ سے الگ کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی ہے۔ اللہ کے فضل سے اب آپ کتاب وسنت کے مطالب سے آگاہ ہیں۔ اب یہ دیکھیں کہ کتاب وسنت سے آپ کے ان اقدامات کی توثیق ہوتی ہے یا نہیں۔ سچ پوچھئے تو آپ کا اصل کام یہ ہے کہ آپ دوسروں کی طرح محض مسلمہ روایات کو دین سمجھنے کی غلطی نہ کریں۔ جب کتاب وسنت کی کسوٹی موجود ہے تو اس کسوٹی پر ہر چیز کو پرکھئے۔ جو چیز پوری اترے اسے قبول کیجئے اور جس چیز کی شریعت میں گنجائش نہ ہو اسے ترک کر دیجئے۔ خواہ اس کی حمایت میں بڑے بڑے علماء کے اقوال ہی کیوں نہ موجود ہوں اس لیے کہ ہمارے لیے صرف اللہ اور اس کے رسول کا فرمان ہی اصل حجت ہے۔

اگر آپ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر کسی اور چیز کو کسوٹی بنائیں گی یا بڑے ناموں پر تکیہ کرنے کا رجحان اور ان کی فہم کو سب کچھ سمجھنے کا خیال آپ کے یہاں قوی ہوتا گیا تو آپ اپنے اس علم سے جو آپ نے یہاں حاصل کیا ہے، کچھ بھی فائدہ نہ اٹھا سکیں گی۔ بڑے ناموں سے اکتساب فیض ضرور کیجئے اور قدیم وجدید متکلمین اسلام کی تصنیفات سے بھی فائدہ اٹھائیے لیکن یہ بات گرہ میں باندھ لیجئے کہ کسی مسئلہ پر فیصلہ کرتے وقت اللہ اور اس کے رسول کے قول کو ہی کلیدی اہمیت حاصل رہے۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ روایت پرستی کے زیر اثر بعض بڑے اہم مفکرین کے یہاں بھی آپ کو ایسی باتیں مل جائیں گی جسے آپ کے لیے حلق سے اتارنا مشکل ہوگا۔ سچ پوچھئے تو آپ کا اصل امتحان یہیں ہے۔ دین وشریعت سے نابلد عام قاری کے مقابلے میں جو ہر بات کو مستند ناموں کے حوالے سے مطالب دین سمجھ کر قبول کرتا چلا جاتا ہے آپ کو چاہیے کہ آپ کتاب وسنت کی روشنی میں ان کا محاکمہ کریں۔ آپ دیکھیں گی کہ بعض باتیں حیرت انگیز طور پر کتنی مختلف ہیں۔

آپ سمجھتی ہیں کہ اب کتاب وسنت کے علم کے بعد آپ عملی زندگی میں اپنے شوہر کو شاید مفید مشورے دینے کی اہل ہوگئی ہیں لیکن روایتی مذہب پرستی آپ کے اس رول کو آسانی سے قبول نہیں کرے گی۔ دور نہ جائیے میں اس بات کی وضاحت کے لیے امام غزالی کی مشہور زمانہ تصنیف احیاء العلوم سے ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ حضرت عمر کے حوالے سے صاحب احیاء العلوم نے لکھا ہے کہ ''عورتوں کی مرضی کے خلاف عمل کیا کرو کہ ان کے خلاف کرنے میں برکت ہوتی ہے، عورتوں سے مشورہ لو اور جو

کچھ وہ مشورہ دیں اس کے خلاف کرو'' اب ایک طرف آپ کو اس بات پر اصرار ہوگا کہ آپ کتاب وسنت کی روشنی میں اپنے شوہر کو صحیح مشورہ دینے کی اہل ہوگئی ہیں لیکن روایتی دین آپ کی اس پوزیشن کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں۔ امام غزالی نے حسن بصری کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''جو شخص اپنی بیوی کا مطیع بنا رہے کہ جو وہ چاہے وہی کرے تو حق تعالیٰ اس کو دوزخ میں اوندھا گرا دے گا۔''

یہ اور اس طرح کی بہت سی باتیں جو عورت کو امور مشاورت سے دور رکھنا چاہتی ہے، اسلام کی اس تصویر سے مطابقت نہیں رکھتی جہاں وقت کا رسول بھی عین حدیبیہ جیسے بحرانی لمحے میں اپنی بیوی ام سلمٰی کے مشورے کو صائب سمجھتا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب صلح حدیبیہ کے نتیجے میں صحابہ کرام میں عام بددلی پیدا ہوگئی۔ یہاں تک کہ انہیں اپنے محبوب رسول کا حکم بجا لانے میں بھی پس وپیش ہوا تو اس وقت ام سلمٰی نے رسول اللہ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ آپ قربانی اور حلق میں پہل کریں۔ آپ کے پختہ ارادے کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی ایسا ہی کریں گے اور بالآخر ایسا ہی ہوا۔ ایک طرف رسول کا اسوہ ہے جہاں عورت کی صحیح رائے قبول کی جاتی ہے اور دوسری طرف ہماری روایتی کتابیں جہاں عورت کا صرف عورت ہونا ہی اسے ساقط الاعتبار کر دیتا ہے۔

الحمدللہ کہ آپ کے پاس کتاب وسنت کا علم موجود ہے۔ اس زوال زدہ مسلم معاشرے میں آپ کو اپنا راستہ خود بنانا ہے۔ اگر آپ نے دین کو روایت پرستی سے الگ کر لیا تو آپ کے لیے آگے چلنا آسان ہو جائے گا۔

ہماری دیگر اہم مطبوعات

☆ **ادراک زوال امت** مصنف:راشد شاز قیمت: 200روپے (571صفحات)
(جلد اول)

اس کتاب میں بنیادی طور پر انہی مظاہر عمل کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں کس طرح وحی کے بجائے متعلقات وحی کو اس قدر اہمیت ملتی گئی کہ مسلم حنیف ہونا بڑی حد تک ایک تہذیبی شناخت بن کر رہ گیا۔ یہ آفاقی امت جسے سیادت عالم کے منصب پر فائز کیا گیا ہے، فرقۂ محمدی کے نفسیات میں محصور ہو گئی۔ حتیٰ کے ہمارے فقہاء نے دنیا کو اسلامی اور غیر اسلامی سرزمین میں بانٹ ڈالا اور ایسا محسوس ہوا کہ مسلم آبادی کے علاقوں کے علاوہ دنیا کے دوسرے خطوں کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔

☆ **ہندوستانی مسلمان:** مصنف:راشد شاز قیمت:250روپے (360صفحات)
ایام گم گشتہ کے پچاس برس

ہندوستانی مسلمانوں کی پچاس سالہ تاریخ مجرمانہ خاموشی کی شرمناک داستان ہے۔ سیکولر دانشور ہوں یا مذہبی علماء، ملی قائد ہوں یا روحانی گدی نشین، یہ سب گذشتہ پچاس سالوں سے مداہنت کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ ہم بحیثیت امت یہ بالکل بھول گئے کہ ہندوستان کی سرزمین میں جہاں ۱۹۴۷ء کی نئی سیاسی صورت حال نے ہمیں ایک اجنبی ملک کا باشندہ بنا دیا تھا اس میں ہمارے لئے زندگی جینے کا اگر کوئی جواز ہو سکتا تھا تو وہ کیا تھا؟ نئے ہندوستان میں جہاں مسلمان ایک قوم کی محکومی سے نکل کر دوسری قوم کی سیاسی محکومی میں چلے گئے تھے وہاں ہماری اسٹریٹیجی کیا ہونی چاہیے تھی؟ ہم اس مسئلہ پر گفتگو سے گریز کرتے رہے کہ نئے ہندوستان میں ہمارا ملی ایجنڈا کیا ہونا چاہئے۔ گذشتہ پچاس برس ہماری ملی تاریخ میں عہد سیاہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک ایسا عہد جسے ہم ایام گم گشتہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

☆ **اسلام: مستقبل کی بازیافت** مصنف:راشد شاز قیمت: 60روپے (160صفحات)

اب وقت آ گیا ہے کہ ہم چودہ صدیوں پر محیط تہذیبی ورثے پر بلا خوف لومۃ لائم تنقیدی نگاہ ڈالیں۔ خدا کے کلام اور رسول ﷺ کی سنت کے علاوہ ہمارے لئے کوئی چیز تحلیل و تجزیے اور محاکمے سے بالاتر نہیں ہونی چاہئے۔ اس سرزمین پر کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس پر زباں بندی کو غایتِ دین سمجھا جائے یا جسے سیکورٹی زون قرار دے کر وہاں کسی مناقشے کو داخل ہونے سے روکا جائے۔ وحیٔ ربانی کی روشنی میں جب تک ہم اپنی پوری تاریخ کا تنقیدی محاکمہ نہیں کرتے ہمیں اس بات کا واقعی اندازہ نہیں ہو سکتا کہ پانی مرتا کہاں ہے۔

☆ **مسلم ذہن کی تشکیلِ جدید** مصنف:راشد شاز قیمت:150روپے (197صفحات)

ہمیں دیر یا سویر اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہوگا کہ قدماء کی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی ایک عدد دماغ سے نوازا ہے جس کا بنیادی فریضہ غور وفکر اور تدبر و تفکر ہے اور جس سے محض ٹوپی رکھنے کا کام لینا یا تر بوش برادری کے لئے اسے استعمال کرنا کفرانِ نعمت، بلکہ بغاوت ہے۔ جب تک ہم پھر سے دل ودماغ کو حرکت میں نہیں لاتے اور وحیٔ ربانی کی تجلیوں سے اپنی راہوں کو منور کرنے کا حوصلہ پیدا نہیں کرتے قدماء کے التباسات ہمارا پیچھا کرتے رہیں گے۔

☆ **غلبۂ اسلام اور دوسری تحریریں** مصنف:راشد شاز قیمت: 140روپے (244صفحات)

غلبۂ اسلام موجودہ فقہی مسلمانوں کے عروج، ان کے سیاسی جاہ وحشم یا ان کی مادی خوشحالی کا نام نہیں بلکہ ایک ایسی صورت حال کا بیان ہے جس میں تمام ہی انسانوں کی نجات اور ان کی فلاح و بہبود کے امکانات میسر ہوں۔ توحید خالص پر مبنی ایک ایسا معاشرہ جہاں عبودیت کے جملہ ابعاد کا ادراک اور اس اکتساب وانبساط ہر شخص کی دسترس میں ہو۔ زمینی حکمرانیاں، نسل ورنگ کے امتیاز اپنا اعتبار کھودیں، عرب وعجم، مشرق ومغرب کا امتیاز یکسر مٹ جائے اور ایک ایسی صورت حال پیدا ہو جسے بالفاظ قرآن ویکون الدین کلہ للہ پر محمول کیا جا سکے۔

☆ **تاریخ زوال امت** مصنف:میاں محمد افضل قیمت:180روپے (432صفحات)

اسلامی تاریخ میں ملت کو پیش آنے والے صدمات وحادثات میں سے ہم نے صرف انہی واقعات کو منتخب کیا ہے جن کے اثرات صدیوں تک محسوس کئے گئے یا کئے جائیں گے۔ یہ وہ دردناک حوادث ہیں جن کے لگائے ہوئے زخموں سے اب تک خون رس رہا ہے۔ ان واقعاتِ عبرت کو غالباً پہلی بار ایک کتاب کی شکل میں قوم کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

☆ **یہودی پروٹوکولز** مترجم:محمد یحییٰ خان قیمت 150روپے (304صفحات)

پروٹوکولز کا یہ ترجمہ جسے فاضل مترجم نے بعض ضروری اور انتہائی اہم معلومات کے ساتھ ترتیب دیا ہے موجودہ عالمی نظام کے دجل وفریب کو سمجھنے میں مدد دے گا۔ اور ہم خیر امت کی حیثیت سے اہل یہود کے گم کردہ قافلے کو صحیح سمت دینے اور انہیں راہ یاب کرنے میں پہلے سے کہیں زیادہ مؤثر ثابت ہوں سکیں گے۔

☆ **سیرتﷺ ابن اسحاق** مصنف:محمد بن اسحاق بن یسار قیمت:250روپے (504صفحات)

دنیا کو تیرہ سو سال سے جس کتاب کی تلاش تھی وہ بالآخر تلاش بسیار کے بعد دستیاب ہوگئی۔ اس کتاب کو سیرت کے موضوع پر دنیا کی سب سے پہلی باقاعدہ تصنیف کا اعزاز حاصل ہے۔ اہل علم اس کتاب کے تذکرے سے تو واقف تھے لیکن اصل کتاب تک ان کی رسائی اب تک ممکن نہ تھی۔ یہ محض اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اس دور کے ایک بڑے اسلامی محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیرس) کو یہ توفیق بخشی کہ وہ اس ناپید کتاب کے اجزاء کو دنیا کی مختلف کتب خانوں سے ڈھونڈ نکالیں۔ گو کہ اس وقت دنیا میں اس کتاب کا کوئی مکمل نسخہ دستیاب نہیں ہے، لیکن اس کی کمی کسی حد تک اس بات سے پوری ہو جاتی ہے کہ سیرت ابن ہشام بڑی حد تک ابن اسحاق کا ہی جدید مدوّن ایڈیشن ہے۔ البتہ ابن ہشام نے جن باتوں کو اپنی کتاب میں شامل کرنا ضروری نہ سمجھا، ان باتوں کے لیے ابن اسحاق کا یہ نسخہ ایک اہم مصدر کی حیثیت رکھتا ہے۔ گذشتہ ۱۳ سو برسوں میں فن سیرت نگاری نے ارتقاء کی بہت سی منزلیں طے کی ہیں، لیکن اس موضوع پر اس پہلی تصنیف کو جو اہمیت حاصل ہے وہ یقیناً کبھی کم نہیں ہوگی۔

☆ **اسرائیل کی دیدہ ودانستہ فریب کاریاں** مترجم:سعید رومی قیمت:140روپے (246صفحات)

یہودیوں نے کبھی یوروپ کی حکومتوں کو مالی تعاون کے ذریعے اپنا ہم نوا بنایا تو کبھی مشرقی یوروپ میں معیشت کو یرغمال بنانے کی کوشش کی۔ مشرقی یوروپ اور جرمنی میں انھیں جس نفرت کا سامنا کرنا پڑا اس کے تذکرے سے پوری یہودی قوم آج بھی سراسیمہ ہو جاتی ہے۔ افسوس کہ اس صورتحال کا گہرا تجزیہ کرنے اور اس سے سبق لینے کے بجائے یہودی دانشور اور ربائی اسے محض Anti-semitism کہہ کر رد کر دیتے ہیں۔ اب دیکھئے دنیا کی سب سے عظیم قوت اور سب سے زیادہ وسائل والی حکومت امریکہ کے پالیسی سازوں کو اہل یہود نے جس طرح شکنجے میں لے رکھا ہے اس کا ردعمل کس طرح سامنے آتا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ صرف حال کو ہی نہیں بلکہ مستقبل کو سمجھنے میں بھی مدد دیتا ہے۔ خدا کرے تمام کھلی آنکھوں والے انسان اہلِ یہود کے اس خطرناک کھیل کے اسرار وعواقب سے آگاہ ہوسکیں۔

☆ **شکنجۂ یہود** مترجم:سعید رومی قیمت:170روپے (448صفحات)

اس کتاب میں صرف امریکہ کی یہودی لابی کا تذکرہ ہے۔ یہ بات ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ مغربی دنیا اور سابق سویت یونین اور مشرقی یوروپ کے تمام ممالک میں اسی طرح کی یہودی اسرائیلی لابیاں موجود ہیں

اوران ممالک کے سرکاری اورنجی امور پہ قابض ہیں۔ ہر ملک کی یہودی اسرائیلی لابی متعدد کمیٹیوں اور ذیلی تنظیموں پر مشتمل ہے۔ یہ تمام یہودی اسرائیلی لابیاں عالمی صہیونی تنظیم یعنی ورلڈز انکسٹ آرگنائزیش (World Zionist Organization) کے تحت کام کرتی ہیں جو کہ اسرائیلی یہودیوں سمیت تمام دنیا کے یہودیوں کی مرکزی قیادت تسلیم کی جاتی ہے۔

☆ **مسلم سیاسی پارٹی** مصنف:راشد شاز قیمت: 15روپے (47صفحات)

ہندوستان میں مسلم سیاسی پارٹی کا تصور اب عام گفتگو کا موضوع بن چکا ہے۔اس کتابچے میں سیاسی پارٹی کے خدوخال پر بھرپور مدلل گفتگو ملتی ہے،توقع ہے جولوگ اس ملک میں ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی صف بندی کے خیال سے خوف کھاتے ہیں انہیں اس کتاب سے حوصلہ ملے گا۔

☆ **ہندوستانی مسلمان: فکری اور عملی ارتداد کی زد میں** مصنف:راشد شاز قیمت: 10روپے (22صفحات)

پہلی بار مسلمانوں میں یہ احساس عام ہورہا ہے کہ اس ملک میں اب بھی وہ کلیدی رول انجام دے سکتے ہیں۔ اب جب کہ باشعور حلقوں میں نئی مسلم فکر پر بحث جاری ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس بارے میں کتاب وسنت کے احکام کو ہر خاص وعام تک پہنچایا جائے۔

☆ **اسلامی انقلاب کا طریقۂ کار** مصنف:راشد شاز قیمت: 10روپے (48صفحات)

جدید دنیا میں اسلامی انقلاب کیسے برپا ہوسکتا ہے؟ اس کا واقعی طریقۂ کار کیا ہے؟ دنیا کے سب سے بڑے انقلابی اور اللہ کے آخری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کی روشنی میں عصر حاضر کے لئے ایک انقلابی لائحہ عمل کیسے ترتیب دیا جاسکتا ہے؟ یہ وہ سوالات جن پر اس مختصر سی کتاب میں بحث کی گئی ہے۔

☆ **مسلم مسئلہ کی تفہیم** مصنف:راشد شاز قیمت:80روپے (120صفحات)

یہ کتاب ہندوستانی مسلمانوں پر بتنے والے ایک انتہائی دردناک المیہ سے متعلق ہے۔امت کا بڑے سے بڑا دانشور اور بیدار مغز عالم بھی فکری ارتداد کی شدت کو محسوس کرنے سے قاصر ہے۔ اس مختصر سی کتاب میں دراصل اسی تکلیف دہ عمل پر مختلف پہلوؤں سے گفتگو کی گئی ہے۔

☆ **پیغمبر اسلام** مصنف:ڈاکٹر حمید اللہؒ قیمت:300روپے (672صفحات)

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے یہ کتاب فرانسیسی زبان میں تحریر کیا۔ اس کتاب کا پورا نام *Le Prophete l'Islam: Sa Vie et Son Oeuvre.* ہے۔(یعنی پیغمبر اسلام: حیات وکارنامے) اس کتاب کا انتہائی سلیس اور رواں ترجمہ پروفیسر خالد پرویز صاحب (پاکستان)، نے کیا ہے۔ سیرت کے موضوع پر یہ ایک انتہائی محقق تصنیف ہے۔

☆ **جوہرِ اقبال** مصنف: محمد حسنین سیّدؒ قیمت:250روپے (300صفحات)

علامہ اقبال پر شائع ہونے والا دنیا کا سب سے پہلا وثیقہ

جوہرِ اقبال کو صرف پہلے نمبر کی حیثیت سے فوقیت حاصل نہیں بلکہ مشمولات کے اعتبار سے یہ اپنے عہد کا شاعرِ مشرق کو نمائندہ ترین خراجِ عقیدت ہے جس میں اس عہد کی تقریباً تمام ہی برگزیدہ ہستیوں نے اپنا حصہ ڈالا ہے۔ مہاتما گاندھی، ابوالکلام آزاد، رابندر ناتھ ٹیگور، سر اکبر حیدر صدرِ اعظم حکومت دولتِ آصفیہ، سر تیج بہادر سپرو، مولوی عبدالحق، عبدالماجد دریابادی، راجندر پرساد، سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر ذاکر حسین، حفیظ جالندھری، عابد حسین، رشید احمد صدیقی، پروفیسر محمد مجیب، ابوالاعلیٰ مودودی، اسلم جیراجپوری، سعید احمد اکبرآبادی اور ان جیسے دیگر حضرات۔ اس کتاب کے بغیر مطالعۂ اقبال کی کوئی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی۔

عربی اور انگریزی زبان میں

ہماری چند اہم مطبوعات

نام کتاب	مصنف	قیمت
محاولة لفهم أزمة المسلين	راشد شاز	350/-
إدراك اسباب تراجع الأمة (مطبوعه دارالحكمة لندن)	راشد شاز	£45
فيوتشر إسلام	راشد شاز	100/-
الحجاب ولكن إلى أى مدى (مطبوعه دارالحكمة لندن)	راشد شاز	£2.99
مأذق المسلمين الفكرى (مطبوعه رياض)	راشد شاز	
الطريق إلى جزيرة العربية (مطبوعه بيروت)	راشد شاز	
الإسلام: إعادة اكتشاف المستقبل (مطبوعه دارالحكمة لندن)	راشد شاز	£9.99
Understanding the Muslim Malaise	By Rashid Shaz	110/-
The Social System in Islam	By An-Nabhani	380/-
The Economic System in Islam	By An-Nabhani	490/-
The Islamic State	By An-Nabhani	590/-
Funds in the Khilafah State	By A.Q. Zalloom	450/-
How the Khilafah was Destroyed	By A.Q. Zalloom	450/-
In Pursuit of Arabia	By Rashid Shaz	1650/-
Islam: Negotiating the Future	By Rashid Shaz	395/-
Creating a Future Islamic Civilization	By Rashid Shaz	495/-